انیس ناگی

اردو ادب کا اینٹی ہیرو

شاہین مفتی

اینٹی ہیرو

اردو ادب کا اینٹی ہیرو

شاہین مفتی

حسن پبلیکیشنز : لاہور

ناشر

محمد علی

حسن پبلیکیشنز، کرشن نگر، لاہور

سن اشاعت

۱۹۹۷

قیمت

۷۰ روپے

طابع

پی۔ جے۔ پرنٹرز۔ لاہور

زاہد مسعود کے نام

"Where is the life we have lost in living ?"

T.S.ELIOT

KIERKEGAARD

"The individual is the category through which, in a religious respect, this age, this history, the human race must pass."

*

"Is not despair simply double mindedness?... Every despair has two wills, the one that he tries in vain wholly to follow and one of which he tries wholly to quit."

*

"The unhappy person is one who has his ideal, the content of his life, the fullness of his consciousness, the essence of his being, in some manner outside himself."

*

اعتراف

ہمارے عہد کے متنوع جہات اور غیر معمولی دانشور انیس ناگی کے شخصی اور تحریری بیانات کی روشنی میں ان کی ذات کا مقدمہ آپ کے سامنے ہے۔

"انیس ناگی، اردو ادب کا اینٹی ہیرو" کے مطالعے کے دوران تحریر کا عدم تسلسل اور تقابلی مقابلے کا ابہام یقیناً قائم رہے گا۔

یہ مضمون کسی تدریسی ضرورت کے تحت نہیں لکھا گیا، اس لئے اسے "روایتی نظام فکر" کی روشنی میں پڑھنا بیکار ہو گا۔

میری خواہش ہے کہ اس کتاب کے مطالعے میں آپ کو بھی اس طرح کی بدمزگی رہے۔

جس طرح کی بدمزگی اس عہد کے دانشوروں کی قسمت ہے۔

شاہین مفتی

۲۱ جون ۱۹۹۷

اردو ادب کی نثری اور شعری تاریخ پر جن کرداروں کا سایہ ہے ان کی مجموعی تعداد غیر ملکی یا مقامی لوک داستانوں سے مستعار لی گئی ہے' مجنوں' فرہاد' وامق' رانجھا' مہینوال' حاتم' منصور' سندباد' عمر عیار' امیر حمزہ' خضر' عیسیٰ' موسیٰ' کرشن' راون' وغیرہ وغیرہ' ان میں سے بیشتر کردار مجہول اور مفعول ہیں جن کے حسن عشق اور حسن تدبر کی خشت اول تائید غیبی ہے' ان کرداروں کی ساخت میں تدریجی ارتقاء اور انسانی کشمکش کے مظاہر بھی لطیفہ غیبی ہی کے منتظر ہیں۔

پبلک ان میں۔ ۔ سے بیشتر کرداروں کی محبت میں ناکامی یا اچانک عائد کردہ موت کے فیصلوں کے باعث ان سے ہمدردی رکھتی ہے اور تنہائی میں ان کی عبرت پر چار آنسو بہانے سے دریغ بھی نہیں کرتی۔

داستانوں کا حاتم اپنی خوش ادائی اور بے نیازانہ طبیعت کے باعث تصوراتی ہیرو کا ایک ایسا نقشہ پیش کرتا ہے جو بہت سارے منیر شامیوں کو مفعولیت کی تصویر بنا کر سر راہ بٹھا سکتا ہے' حاتم اپنے لئے کسی شے کا طلبگار نہیں وہ کسی بھی شخص کے لئے ہفت خواں طے کرکے اس کی محبوبہ کو اس سے ملانے کا خوشگوار فریضہ انجام دے سکتا ہے۔

اس داستانوی تناظر میں باغ وبہار کے چاروں درویشوں پر ایک نگاہ ڈالئے آپ کو سعادت مندی' کجروی اور کمزور قوت فیصلہ کے ایسے ایسے نمونے) نظر آئیں گے کہ لفظ ہیرو سے چڑ ہونے لگے گی۔

انگریزوں کی مہربانیوں سے مغرب کا ادب ہندوستان میں برآمد ہوا تو داستان عجم کے ہیرو کا چہرہ مہرہ بھی تبدیل ہوا' اردو کے ابتدائی ناول مشابہت پسندی کا شکار ہیں۔ اگرچہ

انہیں ٹائپ کردار کہا جا سکتا ہے۔ شاید ابھی تک ہمارے ناول یا افسانے میں ایسا کوئی کردار تخلیق نہیں کیا گیا جس کے لئے ہیرو کی وسیع اصطلاح استعمال کی جاسکے' ہمارے فکشن کے بیشتر ہیرو اٹھارہ سال کی نیم جذباتی محبت کی غلام گردشوں میں گھومتے گھومتے کھو جاتے ہیں ان میں وہ تخلیقی ارتقاء نظر نہیں آتا جس کے باعث کسی بین الاقوامی کردار کے ساتھ ان کا تقابلی جائزہ کیا جا سکے۔ تاہم فکشن کے کچھ معتوب کرداروں نے اپنی خاص جگہ بنائی ہے جن میں مولوی نذیر احمد کی گمراہ شخصیتوں ابن الوقت' کلیم اور مبتلا کا خصوصی تذکرہ کیا جا سکتا ہے' جدید عہد تک آتے آتے یہ گمراہ کردار زمانی تضادات کے ساتھ ساتھ اپنے معاشرے کی جھوٹی روایتوں اور منافقانہ روشوں سے نبرد آزما دکھائی دیتے ہیں' "انیس ناگی" کے ناولوں کے ہیرو اپنی گمراہیانہ روش کی ذاتی آگاہی کے باعث قاری کی توجہ کھینچتے ہیں' ان ناولوں میں جدید عہد کی سماجی اور معاشی چپقلشوں کے ساتھ ساتھ انسانی جذبات کی وہ آویزش بھی نمایاں ہے جو انسانوں کو اندر ہی اندر تقسیم کر کے "داخلی من وتو" کا ایسا مکالمہ جنم دیتی ہے جس سے انکشاف ذات کے دریچے کھلتے ہیں' انیس ناگی کے ناولوں کو یکجا کر کے پڑھا جائے تو وہ اپنے عہد کے سیاسی اور سماجی بحران کے ایسے منظر نامے ہیں جو فرد واحد کی وجودی پامالی کا اعلان کرتے ہیں۔

انفرادی طور پر انسانی وجود کو اس بددیانت فضا میں بار بار تنافر اور راندگی کے جبر سے گذرنا پڑتا ہے یہاں تک کہ ناول نگار کو بحیثیت قوم اپنا انفرادی اور اجتماعی وجود مشکوک لگنے لگتا ہے۔ انیس ناگی کے ناولوں میں دیوار کے پیچھے' زوال میں اور وہ' ایک گرم موسم کی کہانی' قلعہ' ایک لمحہ سوچ کا' محاصرہ اور چوہوں کی کہانی شامل ہیں۔ یہ ناول جزوی طور پر دوستوفسکی' سارتر اور کامیو کے ناولوں سے مشابہت رکھتے ہیں' انہیں اسی اضطراب' سماجی جبر اور تاریخی دباؤ کا سامنا ہے جو روس اور فرانس کے انقلابی زمانوں میں ان کے

ادیبوں کا موضوع رہے۔

انیس ناگی کی تنقید نگاری بھی ایک واضح انکار کا اشاریہ ثابت ہوتی ہے' نذیر احمد کی ناول نگاری' نیا شعری افق' شعری لسانیات' سعادت حسن منٹو' میرا جی ایک بھٹکا ہوا شاعر' غالب ایک شاعر ایک اداکار' تصورات' مذاکرات' مشاہدات کے صفحات پر انیس ناگی نے اردو ادب کی روایت پسندی کو نقصان پہنچائے بغیر تازہ موضوعات اور جدید تحقیق کے آسمان آشکار کیے ہیں۔

ان کی تعلیم و تربیت عجمی ماحول کی بجائے مغربی زبان و ادب کی فضا میں ہوئی ہے اس لئے ان کا تقابلی جائزہ بھی اسی تازگی کا رہین منت ہے' یوں سمجھ لیجئے وہ ادب کی نثری سطح پر ایک ایسے اینٹی ہیرو ہیں جن کی ظاہراً صورت تو شاید کہانی کے ولن کی سی ہے یا کہانی کے Sleeping Partner کی۔ لیکن آخر یہی ولن' یہی معتوب ہیرو' یہی چپ شاہ کا روزہ رکھنے والا کردار ایک ایسے ہیرو میں ڈھل جاتا ہے جو ایک عامیانہ سی زندگی بسر کرتے کرتے خاص قسم کا اعلان کر جاتا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ اسے غیر معمولی حالات ہی میں رہنا ہے۔ اس لئے اس کی حکمت عملی بھی غیر معمولی ہونی چاہیے۔

انیس ناگی نے اپنے ایک ناول "قلعہ" کے آخری صفحے پر لکھا ہے۔

"انسان کبھی انسان کو معاف نہیں کرتا' انسان ایسی چیز نہیں ہے کہ اسے معاف کیا جائے' معافی تو پیغمبر اور ولی دیتے ہیں میں تو ایک چھوٹا سا کمینہ آدمی ہوں جس نے انتقام پر اپنی زندگی بسر کرنے کا فیصلہ کیا ہے"۔

چنانچہ انیس ناگی کا ہیرو غیر معمولی صورتحال میں اوتار / نجات دہندہ بننے کی بجائے میرے آپ جیسا عام آدمی بن کر ہمارے زیادہ قریب آجاتا ہے۔

فکشن کے اسی پس منظر میں اردو غزل کے ہیرو پر نگاہ ڈالیں' یہ ایک مجروح' مفتوح' مفلوک الحال' پشیمان' ناسپاس' ترسیدہ و تشنہ روح کی کہانی ہے' جس کے جسمانی اور روحانی

عذاب کی جڑیں تنافرذات اور ذاتی انکار کی زمین میں دھنسی ہوئی ہیں۔

شعر کی عسکری بساط پر یہ ہیرو وہ عاشق ہے جس کی ذہنیت ہی غلامانہ ہے' وہ دنیا کے لئے "اجنبی" اور "وجہ طنز و مزاح" ہے' اس کا کام تیغ و کفن باندھتے ہوئے مقتل الفت میں اترنا اور محبوبہ کی اداؤں کے تیر سے شہید ہو جانا ہے' دنیاوی محبوبہ جو غزل کلاسیکی تناظر میں طوائف ہے یا طوائف زادی کبھی کسی کو وصل سے سیراب نہیں کرتی' چنانچہ بہت سے شاعروں نے اس دنیاوی محبت کی ناکامی کا سہرا سماوات سے جا باندھا ہے اس طرح ہیرو اپنی عرض حال کی ذاتی بلکہ جسمانی ناکامی کو کائنات کی بے ثباتی کے سپرد کر کے روز محشر کا انتظار کرتا ہے یا اپنی توانائی مادے سے روح میں منتقل کرنے کے داخلی تجربوں سے گزرتا ہے اور زندہ رہنے کا نیا جواز پیدا کر لیتا ہے۔

اردو غزل اور اس کے علائم و رموز پر ایرانی کلچر اور مغلیہ دربار کے رنگ ڈھنگ کے دائمی اثرات ہیں اس لئے آج تک غزل گو شعراء مجنوں و فرہاد کو اپنا امام کہتے ہیں۔

خدا بھلا کرے کرنل ہالرائیڈ کا' جنہوں نے اردو شاعری کی سرکاری سرپرستی کا بہانہ ڈھونڈا اور "عنوانیاتی / موضوعاتی" مشاعروں کی داغ بیل ڈالی' ہمارے شاعر مغل دربار میں بھاؤ بتاتی غزل سے بادل نخواستہ پہلو تہی برتتے ہوئے "مناجات بیوہ" اور "نہر پر چلنے والی پن چکی" کی طرف متوجہ ہوئے' عشق غائب ہوا' واقعہ نگاری اور منظر نگاری کا جنوں افزوں ہوا' یہ زمانہ ذاتی واردات کا نہیں بلکہ خارجی محرکات کی سرکاری سوجھ بوجھ کا زمانہ ہے۔

اسی اثناء میں مغرب کے افکار اور فلسفہ ہائے حیات ہندوستان کی نظریاتی فصیل پر ایک اور کمند پھینکتے ہیں' مذہبی مباحث اور سماجی تبدیلیاں بندہ ہائے بے دام کے دل میں برابری کی سطح پر زندہ رہنے کی خواہش پیدا کرتی ہیں اور اردو نظم اپنے کلاسیکی پیراہن میں مرد مومن کو پناہ دیتی ہے۔

داستان کا حاتم' مذہبی کہانیوں کا کرشن اور عیسیٰ' مسلمانوں کا رحمت للعالمین سب ملا جلا کر اقبال کے شرگی نجات دہندہ کی صورت اختیار کرتے ہیں' نسلی 'لسانی' معاشی اور سماجی جبر سے جھکی ہوئی مسلمان قوم کی آنکھیں آسمانوں سے لگی ہیں اور مخلوق اس بات کی منتظر ہے کہ ایک دن اچانک پردہ غیب سے مہدی برحق کا نزول ہو گا جو انفرادی اور اجتماعی سطح پر تشکک' تشویش اور اضطراب کے زخموں پر پھاہا رکھ دے گا اور یوں بے سود جئے جانے کی بے معنویت نئے معنی سے واصل ہو گی۔

دمادم صدائے کن فیکون اور کائنات کی ناتمامی سے ابھرنے والا یہ نیا انسان وہ مرد کامل ہے جو "فرد" نہیں "فرد واحد" ہے' شہادت کا طالب' مال غنیمت اور کشور کشائی کی آلائشوں سے پاک' دل ونگہ کی ہوس رانی سے ناآشنا' روحانیات کے منتر پڑھا ہوا' اس مرد حق کا سب سے بڑا فریضہ مسلمانوں کی زندگی کو سہل اور آسودہ رکھنا ہے' یہ ہیرو چونکہ مذہبی اسناد کا حامل ہے اس لئے اس کی "فرد پرستی" انا الحق کی نعرہ بازی کے باوجود مصلوب نہیں ہو سکتی' نہ اسے پابند سلاسل کیا جا سکتا ہے نہ اس پر دوسرے قوانین کی حد لگائی جا سکتی ہے تاہم یہ ہیرو رواجی نفسیات سے کماحقہ' آگاہ ہے اس لئے بزم یاراں میں ریشم اور رزم حق وباطل میں فولاد ثابت ہوتا ہے۔ اس ہیرو کی کوئی ذاتی زندگی نہیں' اس کے کوئی ذاتی مسائل نہیں۔ اس کا کوئی ذاتی حوالہ نہیں وہ زمان ومکان کی قید سے آزاد ہے نہ اسے بھوک لگتی ہے نہ پیاس ستاتی ہے' نہ اسے خالی جیب کا دکھ ہے نہ مالی انبار سنبھالنے کا لپکا' وہ ذہنی سطح پر ایک ہی عمل کے لئے منتخب کر لیا گیا ہے' اسی عمل کی دوہرائی میں اس کی عافیت ہے اس عمل کو "جہاد زندگانی" کا نام دیا گیا ہے' یقین محکم' عمل پیہم اور محبت فاتح عالم اس جہاد کے ہتھیار ہیں۔ ان تین علامتوں کی جزدی تعریف مقصود نہیں ان کے مذہبی اور اقتصادی معانی بھی نہیں کھلتے' صرف ایک نعرہ بازی کا شغف ہے جسے مرد مومن اعادے کا رنگ دے کر خارجی اور داخلی توانائی حاصل کرتا ہے۔ اقبال کا یہ ہیرو

شاعر کی نامیاتی سائیکی کی اچھی مثال ہے جو انفرادی علم بلند کرنے کے لئے اجتماع کا سہارا لیتا ہے' جب میدان جنگ میسر نہیں آتا تو وہ محراب و منبر پر چڑھ کھڑا ہوتا ہے اور "مسلسل جہاد باللسان" کا راستہ اختیار کرتا ہے' انگریز جا چکے' ہندوستان تقسیم ہو چکا اس خدائی ہیرو کا جہاد باللسان جاری ہے۔

ہم ایسے سادہ دلوں کی نیاز مندی سے
بتوں نے کی ہیں جہاں میں خدائیاں کیا کیا

اقبال کے ہیرو کا خطابیہ لب و لہجہ ہمیں راشد کے ہیرو کے ہاں بھی دکھائی دیتا ہے لیکن اس لہجے میں چمک سے زیادہ لاتعلقی' اجنبیت اور ہزیمت کے اثرات محسوس کئے جا سکتے ہیں۔

یہ خلائے وقت کی جس میں ایک سوال ہم
کوئی چیز ہم' نہ مثال ہم
جسے نوک خار سے چھید دیں
وہی ایک نقطہ خال ہم

راشد کا شعری ہیرو تشویش' اضطراب اور احساس مغائرت کے باعث اپنے ہی ماحول میں اجنبی ہے اس کے پاؤں کسی زمین پر نہیں وہ مذہبی' انسانی' علاقائی اور لسانی سطح پر ٹکڑے ٹکڑے ہو چکا ہے چنانچہ راشد اس ہیرو کی کمیت Value مقرر کرتے ہوئے اسے لا= انسان لکھتے ہیں' یہ انسان سرنگوں' خیرہ نگاہ' تیرہ گلیم ہے۔ اپنی ہی ذات کے تعاقب میں گھومتا ہوا یہ ہیرو اپنی زندگی کا دائرہ مکمل کرتا ہے اور الحاد کی کرسی پر اونگھتے ہوئے احساس گناہ کی ہزیمت میں مبتلا رہتا ہے۔

جدید اردو نظم کا ایک بڑا نام میراجی ہیں۔

جو داخلی اور خارجی سطح پر اپنے آپ کو کل کائنات کا درجہ دے کر ہر دو جہان سے

بے نیاز ہو جاتے ہیں۔

جستجو روزن دیوار کی مرہون نہیں ہو سکتی
میں ہوں آزاد مجھے فکر نہیں ہے کوئی
ایک گھنگھور سکوں، ایک کڑی تنہائی
میرا اندوختہ ہے۔

۱۹۳۶ء کی ترقی پسند تحریک اردو شعروادب میں ایک ایسے انقلابی ہیرو کا تصور ابھارتی ہے جو سوتے جاگتے انقلاب انقلاب کے نعرے لگاتا ہے اسی ہیرو پر اشتراکی انقلابات کے سائے ہیں۔ وہ مزدوروں اور کسانوں کا گماشتہ ہے وہ ادب اور زندگی کو ایک دوسرے کی پرچھائیں قرار دیتا ہے، وہ صنعتی نظام کا پروردہ ہے اور صنعتی جبر کے خلاف ہے، وہ جاگیردار کا مزارعے ہے اور جاگیر کی تقسیم کا خواہش مند ہے، وہ پولیس کی مار کھاتا ہے، گاؤں بدر ہوتا ہے، نعرہ بازی کرتا ہے، جیل جاتا ہے، مگر عوامی راہنمائی کے شوق اور منشور مساوات سے باز نہیں آتا، یہ ہیرو مذہبی ایقان اور سماجی قوانین سے گریزاں ہے وہ خود دریافتی کے ایسے عمل میں مبتلا ہے جو ہر شے کو اپنے راستے کی دیوار سمجھتا ہے، احمد ندیم قاسمی اور Self-discovery کے امتزاج سے اس قسم کی نظمیں معرض وجود میں آتی ہیں۔

تعقل اور انسانی ارتکاز کا یہ مسلسل عمل اجتماعی سطح پر ہر شخص کو اپنی قسمت کا خدا بنا کر پیش کرتا ہے، جنت ودوزخ، سزا وجزا، روز قیامت اور دربار محشر کی حکایات اپنی اہمیت کھو کر فیض کے ان الفاظ میں ڈھل جاتی ہیں۔

الم نصیبوں، جگر فگاروں
کی صبح افلاک پر نہیں ہے
جہاں پہ ہم تم کھڑے ہیں آکر
سحر کا روشن افق یہیں ہے

انکار واثبات کی یہ نازک گھڑی فیصلے کی وجودی سطح کا درجہ متعین کرتی ہے۔ اپنی ذات پر اعتبار کا مرحلہ فیض کے ہاں سچائی اور نیکی کا پیمانہ ہے، فیض اور ان کا شاعرانہ ہیرو ایک دوسرے کے رنگ میں رنگے ہوئے ہیں، انہیں اپنے عہد کا منصور کہلانے کا شوق ہے وہ شہادت سے بھی متمکن ہونا چاہتے ہیں، لیکن فیض کے اس نجات دہندہ کا عام آدمیوں کی دنیا سے تعلق برائے نام ہی ہے۔ اس کے مزاج میں ایک خاص قسم کی شہزادگی ہے، میں اس شہزادگی کا ناطہ ایک بار پھر منیر شامی سے جوڑنا چاہوں گی کہ وہ حاتم کو مصیبت کے راستوں پر چلاتا ہے اور خود اس کی واپسی کا منتظر ہے، فیض کی ایک مشہور نظم کا مزاج دیکھئے۔

لازم ہے کہ ہم بھی دیکھیں گے
وہ دن کہ جس کا وعدہ ہے
جو لوح ازل پہ لکھا ہے
جب ظلم و ستم کے کوہ گراں
روئی کی طرح اڑ جائیں گے
اور محروموں کے پاؤں تلے
یہ دھرتی دھڑ دھڑ دھڑکے گی
اور اہل حکم کے سر اوپر
یہ بجلی کڑ کڑ کڑکے گی
ہم اہل صفا، مردود حرم
مسند پہ بٹھائے جائیں گے
اور ارض خدا کے کعبے سے
سب بت اٹھوائے جائیں گے

بس نام رہے گا اللہ کا

اس نظم کے پس منظر پہ غور کیجئے سب کام خلق خدا کر رہی ہے۔ ہمارا ترقی پسند ہیرو مسند پہ بٹھایا جا چکا ہے۔

فیض کے آزادی کے خواب اور ان کے نجات دہندہ کی رومانویت ایک صاحب جمال ہیرو کا ساحتیہ تیار کرتی ہے۔ فیض کی مقبولیت میں اس صاحب جمال ہیرو کی دل نوازی کا حصہ اتنا زیادہ ہے کہ اس کے اقوال وافعال سے بڑھ کر اس کی موجودگی اور خوش ادائی محل نظر دیتی ہے' وہ ایسا کلاسیکی ہیرو ہے جو یونانی دیوتاؤں کی سی مشابہت رکھتا ہے' وہ قارئین کے دلوں کو گرماتا اور مائل بہ محبت کرتا ہے' اس طرح فیض اور ان کا ہیرو عوام الناس کے خوابوں کی دنیا کے بہت قریب ہو جاتے ہیں۔ تقسیم کے بعد کے جدید نظم گوؤں میں مجید امجد اور منیر نیازی' مختار صدیقی نے بھی اپنی اپنی سطح پر اپنے شعری کردار ڈھالے ہیں۔ لیکن ان کرداروں میں فعلیت کی ایسی سطح موجود نہیں جو ہیرو کے روایتی کردار سے قریب ہو' نہ ہی ان تینوں کے ہاں روایت وسماج سے گہری قسم کی چپقلش کے آثار ملتے ہیں بلکہ ان تینوں کی نظموں سے مختلف احساسات کے چناؤ' میں آسانی رہتی ہے' تینوں شاعروں کے ہاں لفظ "میں" کو تسلسل سے استعمال کیا گیا ہے' مجید امجد اپنے آپ کو "میں اجنبی' میں بے نشاں' میں پابہ گل قرار دیتے ہیں منیر نیازی ذاتی محبوبیت کے زہراب میں ڈوبے ہوئے خزانے کا سانپ بنے بیٹھے ہیں ان کا دعویٰ یہ ہے کہ میں جس سے پیار کرتا ہوں اسی کو مار دیتا ہوں۔

۱۹۶۰ء کی شاعرانہ کروٹ کچھ اور شاعروں کو ہمارے سامنے لاتی ہے جن میں جیلانی کامران' زاہد ڈار' سلیم الرحمٰن' سرمد صہبائی' افتخار جالب' عباس اطہر' محمد صفدر' عبدالرشید' کشور ناہید' اعجاز فاروقی' احمد ہمیش' مبارک احمد اور کئی دوسرے نام شامل ہیں' ان شاعروں کے ہاں بھی ذات کے انکشاف کے کئی تجربات ملتے ہیں لیکن دوچار شعراء کو

چھوڑ کر باقی شاعر دوسرے "ذریعہ ہائے غیرت" کی طرف نکل جاتے ہیں۔ جدید شاعری میں انیس ناگی کا اصل تعلق ۱۹۶۰ء کی وجودیاتی تحریک ہی سے ہے

کر کیگار، نے لکھا ہے۔

Like a solitary fir tree egoistically separate and pointed up ward I satnd, casting no shadow, and only the wood-dove builds its nest in my branches.

انیس ناگی نے اپنے وجود کے درخت کو شاخ در شاخ پھیلاتے ہوئے اسے لفظ کے جنگل میں تبدیل کر دیا ہے۔

کتابیں میرا جنگل ہیں
جنہیں میں کاٹ کر رنگین معانی کے ہیولوں میں
چمکتی صورتوں سے دور
تنہا حرف کے صدمات سہتا ہوں۔
کتابیں میرا ایندھن ہیں
میں کتابوں میں سلگتی آگ ہوں
جلتا ہوا کاغذ' دھوئیں میں پھیلتی تصویر ہوں
میں ان کتابوں کا ارادہ ہوں۔
ہراساں میں' کتابیں میری آنکھیں ہیں(۱)
انیس ناگی کی تلاش میں نکلنا ہو' انہیں چھو کر دیکھنا ہو
تو ان کی کتابوں سے رجوع کیجئے کہ وہ اپنے بارے میں کیا کہتے ہیں۔
"میں اپنی دنیا میں رہنا چاہتا ہوں اور آپ کو اس میں داخل نہیں ہونے دوں گا' آپ میری کتابوں کے ذریعے مجھ تک پہنچ سکتے ہیں۔ (۲)
رسائی کے اس اشتیاق کو اگلا فقرہ ایک جذباتی دھچکا عطا کرتا ہے۔
"ظاہر ہے کہ آپ ایسا نہیں کریں گے کیونکہ میں آپ کے لئے غیر اہم ہوں" (۳)
کتاب کو اپنی ذات کا تسلسل قرار دینا اور پھر اپنے آپ کو غیر اہم قرار دے دینے کا مفروضہ تراش لینا انیس ناگی کی ذات کے دو ایسے پہلو ہیں جو ایک دوسرے کا اثبات بھی چاہتے ہیں اور ایک دوسرے سے منحرف بھی ہیں۔

انسانوں سے کٹ کر کتابوں کے "لمس" میں زندہ رہنا کب ایک مکمل اکائی بنتا ہے اس کی مدلل وجہ بیان نہیں کی جا سکتی تاہم انیس ناگی کی وجودی تنہائی، اضطراب، بدمزگی اور عدمیت کے شدید جذبات تک پہنچنے کے لئے ہم سارتر کے اس پیراگراف سے تعلق جوڑتے ہیں۔

"I had found my religion: nothing seemed more important to me than a book. I saw the library as a temple." (4)

میں نے اپنا مذہب (راستہ) تلاش کر لیا تھا، میرے نزدیک کتاب سے زیادہ اہم کوئی چیز نہ رہی اور لائبریری مجھے ایک معبد دکھائی دینے لگی۔

انیس ناگی لکھتے ہیں۔

"مجھ پر کتابیں پڑھنے کا خبط سوار تھا، دوستوفسکی، پشکن، بودلیئر، راں بو، آسکر وائلڈ، لارنس جو جو سامنے آتا میں اس کا مطالعہ کرتا، ان شاعروں اور ادیبوں کی سوانح عمریاں بھی میرے زیر مطالعہ رہتیں...... جوں جوں میں کتابیں پڑھتا جاتا میرا اندر بدلنے لگا تھا" (۵)

کتاب کی اس مسلسل صحبت نے شاعر و ادیب انیس ناگی کو کارجہاں سے اکتاہٹ اور فکر جہاں سے افسوس کے تحائف عطا کئے ہیں ان کا ذاتی بیان دیکھئے۔

"مجھے پوری طرح احساس ہے کہ میں ایک ناکام ادیب ہوں مجھے یہ بھی اچھی طرح احساس ہے کہ میں نے ادب کی آورش کے لئے اپنی ساری عملی زندگی وقف کی تھی وہ بھی رائیگاں گئی، عملی سطح پر بھی میں ایک ناکام اور بودا شخص ثابت ہوا ہوں" (۶)

کرکیگار کا بیان ہے کہ:

"his readers will not have the time or ability or faith enough in his work to see, a total plan in the whole, instead they will interpret its transitions as due to changes in author's beliefs and interests. " (7)

اس کے قارئین کے پاس نہ تو وقت ہوگا' نہ قابلیت اور نہ ہی قابل قدر بھروسہ کہ وہ اس کے کام کی مکمل منصوبہ بندی کا احاطہ کر سکیں اس کی بجائے وہ مصنف کے عقائد اور دلچسپیوں کی متنوع حالتوں پر بیان بازی کریں گے۔

انیس ناگی کا اپنے قارئین کے بارے میں خیال اس سے مختلف نہیں بلکہ وہ اس "نہ جانے کی مصیبت" میں یہ سوچ کر مزید اضافہ کرتے ہیں۔

"میں بین الاقوامی سطح پر ادب کا ایک ستارہ بننا چاہتا تھا' لیکن میں جغرافیائی اور تہذیبی سطح پر ایک بد قسمت خطے سے تعلق رکھتا ہوں جو ہمیشہ محکوم رہا ہے' جو ہمیشہ انتشار میں رہا ہے اور دنیا کے نقشے پر کسی امتیاز کا حامل نہیں ہے' ایک ملک کا وجود ادیب کی شہرت میں برابر کا شریک ہوتا ہے" (۸)

دنیا کے نقشے پر بے وجود ملک کا ایک بے وجود فرد جس نے ہیگی میں خواہش بھی وہ ہے زیر لب بڑبڑاتا ہے۔

اب کون ہماری سوانح عمری لکھے گا۔

اب کون اس صنعتی آشوب میں گھلتی زندگی میں ہمارے نقش و نگار یاد رکھے گا؟

کہ ہم نامور بھی نہیں تھے' ہم کسی مسند کے ثناخواں بھی نہیں تھے۔ ہم نے انا کے کسی محاذ پر کانسی جیسے تپتے آسمان کے نیچے آہ وبکا میں خوں بھی نہیں بہلایا تھا۔

نہ کھیل کھیلا۔

نہ روحانی و جسمانی املاک پائیں

صرف ہوا چاروں سمتوں سے ہوا

ریگ زاروں سے نکلتی ہوئی

دھوئیں کے شہروں میں پھڑپھڑاتی ہوئی تمام موسموں کا لمس لئے ہوئے ہوا۔۔۔۔۔۔۔۔ ہماری تربتوں سے دھول اڑاتی ہوئی دھول کا بادل بن جائے گی" (۹)

اس عدم تسلیمیت اور رد وانکار کے معاشرتی رویے کو انیس ناگی کے ایک انٹرویو میں دیکھیئے۔

"آپ سے کس نے کہا کہ میں اہم ادیب ہوں' مجھے ابھی تک سرکار کی طرف سے کوئی انعام نہیں ملا' اکادمی نے کبھی باہر کی سیر نہیں کرائی' حکومت نے کبھی اچھا عہدہ نہیں دیا' ہر قسم کی ادبی اور ثقافتی تنظیموں سے باہر رکھا گیا ہوں' ان تمام باتوں کا مطلب یہ ہے کہ میں اہم ادیب نہیں ہوں البتہ ناپسندیدہ ضرور ہوں" (۱۰)

اپنے غیر اہم ہونے کا جواز فراہم کرتے ہوئے ناگی نے لکھا ہے۔

"صرف اس لئے کہ ایک خوشامد پرست عہد میں ایک نئے ضمیر کی داستان مرتب کر رہا ہوں۔ میں اپنے آپ کو ضلعی سطح کا ادیب سمجھتا ہوں' میرے عہد نے مجھ کو رد کیا ہے

اور میں اسی تردید میں رہتا ہوں۔ کیونکہ میں ایک چاپلوس معاشرے کی توقعات کو پورا نہیں کر سکتا (۱۱)

"چاپلوس معاشرے" میں زندہ رہتے ہوئے ناگی کی زندگی "بیابانی کا دن" بن گئی ہے۔ جس کا کوئی ماضی نہیں، جس کا کوئی مستقبل نہیں، جس کی زمین بنجر اور فضا بوجھل ہے، جس کے بے ثمر آب وہوا میں امید پروان نہیں چڑھتی اور انسان زرد پتے کی طرح بے نوائی کے سہارے ایک بے عقیدہ زندگی کا گناہ کئے جاتا ہے۔

اس بیابانی کی مزید وضاحت کے لئے انیس ناگی کے ان اعتراضات پر نگاہ ڈالئے۔

"اگر آپ انسان دوست ہیں تو آپ کو میری اس صورت حال پر شاید رحم آئے گا کہ ایک شخص بہت کچھ کہنا چاہتا ہے لیکن کہنے سے مجبور ہے، یہ پابندی میں نے اپنے اوپر خود عائد کی ہے، کیونکہ یہ معاشرہ میری آزادی کو پسند نہیں کرتا۔ مگر اس کے ساتھ معاشرے میں برسراقتدار طبقہ جو کچھ کہتا ہے میں اس کی تائید میں متامل ہوں، آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ الجھے ہوئے ضمیر کا آدمی ہوں اور اپنی پرسنل Personal ہسٹری میں انتخاب سے گریز کر رہا ہوں" (۱۳)

ذاتی انتخاب سے گریز کے باوجود انیس ناگی اعتراف کرتے ہیں۔

"میں دوزخی شہر کی الجھنوں میں
گھروں سے نکلتے تمدن کے سب راستے بھول کر
ایک ایسی ڈگر پر چلا ہوں
کہ چلتے ہوئے اپنے سائے سے ننگا بدن ڈھانپنے کی ضرورت نہیں
کہ اس شہر کے سب ستر پوش لوگوں سے میری ملاقات ہے

یہ ستر پوش لوگ کون ہیں؟

کیا انیس ناگی کی طرح ننگا بدن ڈھانپنے کی ضرورت سے بے نیاز یا منافقانہ چادروں میں لپٹے ہوئے ضرورت مند جنھوں نے ایک مجرمانہ صورت حال کو جنم دیا ہے؟

انیس ناگی اس سوال کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"ہم کسی معاشرتی احساس یگانگت کے بغیر، کسی تصور حیات کا سہارا لئے بغیر جبلی سطح پر زندگی گزار رہے ہیں۔ یعنی وہ معروضیت جو ایک فرد کی نگاہ کو دوسروں پر مرکوز کرتی ہے صریحاً ناپید ہے، ہم ایک جذباتی اور ذہنی افراتفری کا شکار ہیں جس کے نتیجے کے طور پر معاشرے اور فرد میں صرف اجنبیت کا رشتہ رہ گیا ہے" (۱۵)

ایک ایسے کلچر میں جہاں انفرادی اور اجتماعی ذمہ داری کا تصور مٹ جائے سب ننگے ایک دوسرے کے ملاقاتی ہوں، معاشرہ احساس کمتری، عدم تحفظ، اقداری انحطاط اور عملی رجعت پسندی کا شکار ہو جاتا ہے تیسری دنیا کے نیم ترقی پذیر معاشروں میں "جہاں ابھی تاریخ کا چلن درست نہیں، اقتصادی محرومی ہے، بین الاقوامی محتاجی ہے (۱۶)، آدرشی اور آفاقی نجات دہندہ کو معروضی صورت حال اور معاشرتی عدم انصافی کا سامنا ہے سوائے اکتاہٹ کے کوئی فصل نہیں اگتی"۔

میں جنوبی ایشیا کے ایک سے مرطوب
کاغذ کی طرح جلتے سلگتے
آرزوؤں سے تہی
پس ماندگی میں غرق شہروں میں جہالت اور ضلالت

سے نمو پاتی زندگی کی دوڑ سے
اکتا گیا ہوں (۱۷)

محرومی اور اکتاہٹ کے ان تصورات نے ناگی کی فکری سرگزشت کو سہارا دیا ہے' انہی افکار سے وہ اپنی شعری کائنات کی معنویت تلاش کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

"اب شعر لکھنا اور اسے شائع کروانا دیوانگی معلوم ہوتا ہے۔ لیکن زندگی کے لئے ایسی دیوانگی لابدی ہے۔ (۱۸)

یہ شاعری ان کی زندگی کا وقوف ہے' اسی سے شاعر کی زندگی کی کتاب ترتیب پاتی ہے' فرق صرف یہ ہے کہ "کتاب سکھاتی ہے اور انسانی تعلق توقعات کو جنم دیتا ہے' توقعات پورا کرنا بہت مشکل ہے اس لئے انیس ناگی دوستوں اور جاننے والوں سے گریز کرتے ہیں (۱۹)

سلطنت میں لوگ مجھ کو جانتے ہیں
پر مری پہچان سے منکر ہیں کیوں؟
تشکیک منزل فلسفے کی ہے
تصوف سے نکلتا راستہ ہے
درحقیقت میں تو اپنی ذات کا ہذیان ہوں
جو نظم لکھنے کے لئے
سرگرم رہنے کا بہانہ ڈھونڈتا ہے" (۲۰)

اب ہم دیکھیں گے کہ یہ انیس ناگی کون ہیں ان کی ذات اور اس کی ماہیت کیا ہے۔ اس ذات کے ہیجان اور ہذیان کی بنیادی وجوہات کیا ہیں؟ ان سے گریز پائی اور قلعہ بندی کے کون سے سلسلے جڑے ہوئے ہیں۔

انیس ناگی (۲۱) ۱۹۳۹ء میں غیر منقسم ہندوستان میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۴۷ء تک کا زمانہ اپنے والد (جو اس زمانے کے سرکاری (۲۲) ملازم تھے) کے ہمراہ زیادہ تر سول لائنز کی کالونیوں میں بسر کیا' جہاں یا تو انگریز رہتے تھے یا ان کے کتے اور ایک آدھ مقامی سرشتہ دار جو بہرحال انگریزوں کی موجودگی میں دو نمبر کی مخلوق تھا۔

اپنے لوگوں کی میل ملاقات اور رفاقت سے کٹا ہوا' کالونیلزم کا اسیر ایک دیسی جج جو حکومت کا آلہ کار تو ہے لیکن صاحب حکم نہیں اپنے وجود کی اتھل پتھل اور گرمی سردی کے باعث اپنی اولاد کے لئے خدائی اوتار بن جاتا ہے۔ناگی اس خدائی اوتار کے مستحکم فیصلوں کے بارے میں لکھتے ہیں "میں ایک ایسا شخص ہوں جو اپنے بچپن سے محروم رہا۔ اس میں قصور میرے والد کا ہے۔ جو عقیدے کی اعتبار سے وہابی تھے اور آمرانہ خصائص کے حامل ـــــــــــ انہوں نے اپنے پانچ لڑکوں کے لئے مختلف پیشوں کا انتخاب کیا اور کالج میں انہیں جبری طور پر سائنسی مضامین پڑھنے پر مجبور کیا" (۲۳)

ایک اور مقام پر لکھا گیا ہے۔

"میں بچپن ہی سے طرح طرح کی محرومیوں کا شکار تھا (میرا باپ کبھی میرے لئے تحفہ نہ لاتا) ــــــــــــ میرے والد کو ہمیشہ یہی شکایت رہتی کہ اولاد نافرمان اور مذہب سے دور ہے' چنانچہ وہ ہم بھائیوں کو مذہب کی طرف راغب کرنے کے لئے جمعہ کی نماز گھر میں باجماعت کراتا" (۲۴)

(ظاہر ہے انگریزی سول لائن میں جامع مسجد تو نہیں ہو سکتی تھی) والد کے اس مذہبی

اور تہذیبی تشدد نے انیس ناگی کے ہاں مذہب سے کامل انکار کی تو نہیں البتہ لاتعلقی کی فضا ضرور پیدا کی ہے۔

یہ شہر اذانوں کا ہے
پانچوں وقت خدا کا نام یہاں
بام و در پر ٹھہراتا پھیلتا جاتا ہے
راہ چلتی اور گھر بیٹھی ہر عورت
اپنا پلو منہ پر ڈھلکا لیتی ہے
لوگ سری لنکا سے نشر ہوتے گانوں کی
لو نیچی کر دیتے ہیں۔
ٹیلی ویژن کی براڈ کاسٹر سنجیدہ ہو کر
سرخ دوپٹہ نیچے کر کے کچھ کہتی ہے
باہر سڑکوں پر ٹریفک چلتی رہتی ہے
اور دکانوں میں لوگ سودا سلف خریدتے رہتے ہیں
اور موذن مینار سے نیچے آجاتا ہے" (۲۴)

مذہبی معاملات کی خارجی بے اثری اور عائد کردہ جبری افعال کی بدمزگی روزمرہ زندگی کے معمولات میں نور کا نقطہ نہیں بنتی نہ ہی اس سے خدائی مکالمہ جنم لیتا ہے اور نہ ہی کسی شخصی مراقبے کی کوئی صورت نکلتی ہے۔ اسی مذہبی الجھاوے سے انیس ناگی ایک اور نظم ترتیب دیتے ہیں۔

جس کی آواز ہم نے سنی نہیں
جس کے ہاتھ اور پاؤں ہم نے دیکھے نہیں
کون ہے وہ؟
جو سب کو ہانک رہا ہے
جس کے تیز تنفس سے
گرداب فضا میں آجاتا ہے
کاغذ کے پرزوں کی دیوار فضا میں اٹھتی ہے
شہر کی چھت پر بادل چھا جاتا ہے
اک ہول سا دل کو کھا جاتا ہے
اور خواب بھیانک ہو جاتے ہیں
کون بتائے کون ہے وہ؟
جو بھی اس کا نام بتائے
اللہ اس کو حج کرائے" (۲۵)

واضح رہے کہ یہ ہانکنے والا' تیز تنفس والا' ڈرانے والا' بھیانک خواب دکھانے والا نامحسوس خدا انیس ناگی نے اول اول اپنے والد کے توسط سے اور اذاں کے بعد موذن شہر کے حوالے سے دیکھا ہے۔

اس سرپوش قسم کی اخلاقیات سے ان کی محبت کے اولین تجربات بھی مجروح ہوئے ہیں' ایک پردہ دار (۲۶) کا ناکام عشق مذہب کی سطحی صورتوں کو اسطرح سامنے لاتا ہے۔

میں نے بھی اک عورت سے بے کیف محبت کی تھی
جو مجھ سے ملتے ہی مذہب اور اخلاق کی باتیں کرتی تھی

پیروں فقیروں کی روحانی طاقت کی
اور کہتی تھی
مرد حرامی ہوتے ہیں
ہر وقت وہ بستر کی باتیں کرتے ہیں
میں یہ سن کر
بستر سے اٹھ کر باہر چلا گیا تھا
واپس آیا تو وہ کہیں نہیں تھی
وہ اپنا برقعہ بستر پر بھول گئی تھی (۲۷)

بستر پر برقعہ بھولنے کی وجہ تو نہیں لکھی گئی تاہم یہ اس عورت کا اخلاقیات کی خارجی ستر پوشی سے پہلا انحراف ہے' ناگی اور اس کے والد کے ساختہ مذہبی عقائد کی چپقلش سے دوستوفسکی Dostoyevsky کے ناول TheDevils جس کا دوسرا نام The Possessed رکھا گیا ہے کی یاد تازہ ہوتی ہے۔

ناول کی لیڈی سٹار وروجن LadyStravrogin فلسفہ جبرو اختیار کی جن بلندیوں کو چھو رہی ہے وہ اس کی اولاد کو نیم دیوانہ کرنے کے لئے کافی ہے' لیڈی کا اکلوتا بیٹا نکولائی سٹاوروجن NicholasStravrogin اس ترتیبی عذاب کی واضح مثال ہے۔ وہ مذہبی راہنما فادر ٹکن Father Tikhan کے حوالے سے اپنے گناہوں کا اعتراف بھی چاہتا ہے اور اپنی روح کی نجات بھی' لیکن کہانی کی اختتام پر ہمیں فادر ٹکن ایک نفسیاتی مریض کی حالت میں دکھائی دیتا ہے جس کا دروازہ ہمیشہ کے لئے بند کرتے ہوئے نکولائی خود جرم و سزا کے تہ خانے سے نجات پالیتا ہے۔ (۲۸)

ناگی کے ہاں نجات کی صورت یہ ہے

جی میں آتا ہے
کہ درویشی کے رستے پر نکل جاؤں
زندگی کے ضابطوں کو توڑ دوں
شرم و حیا کی الجھنوں کو نوچ دوں
سب خانگی جھگڑوں کو کھانے کی ٹرالی پر
ادھورا چھوڑ کر
ارضی خداؤں کے تحکم
اہل زر کے دبدبے سے ایک لمحے کے لئے
آزاد ہو کر
ہاتھ میں سگریٹ لئے
چپ چاپ
سارا دن گلی کوچوں میں بکھری خاک پر چلتا رہوں
دیوار پر جو کچھ لکھا ہے
اس کو پڑھتا گنگناتا دوسری جانب نکل جاؤں
ہوا اک ایلچی کی طرح میرے کان میں
سرگوشیوں میں راز کی باتیں کرے
میں پھڑپھڑاتی آستینوں سے پسینہ پونچھ کر
فٹ پاتھ پر چلتا رہوں (۲۹)

واضح رہے کہ ایک اعلیٰ سطح کے سرکاری ملازم کی دفتری پابندیوں میں اس بات کی کوئی گنجائش ہی نہیں رکھی گئی کہ گلی کوچوں کے دیوار ودر کی تحریریں پڑھ سکے یہ صرف خیال کی آزادی ہے جو انیس ناگی کی باضابطہ زندگی کو پل بھر کے لئے اجال سکتی ہے۔ لیکن شاید ہم تو نکولائی شاوروجن کے بارے میں محو گفتگو تھے ہاں تو نکولائی کے پیمانہ صبر کا لبریز ہو جانا بھی ایک لطیفہ ہے۔ بات تو کوئی ایسی بڑی نہیں تھی' صرف اتنا کہ شاہی کلب کا ایک باعزت ممبر پیٹر گیگا نوف PateGaganoy بات بے بات اس تکیہ کلام کا عادی تھا۔

"No Sir, they wont lead me by the nose"

i53(

نہیں جناب مجھے تو کوئی ناک سے پکڑ ہی نہیں سکتا۔

خیر ایسا کہنے میں کوئی ہرج بھی نہیں تھا لیکن ایک دن نکولائی کی موجودگی میں اس فقرے کو اتنی بار دہرایا گیا کہ شہزادہ نکولائی شاوروجن کی زندگی بھر جبری سطح پر دبائی گئی۔ انتقامانہ صلاحیتیں یک بیک جاگ اٹھیں اور وہ پیٹر کو ناک سے پکڑ کر گھسیٹتا ہوا دور تک لے گیا۔

بظاہر یہ ایک نابالغ بدتہذیبی کا واقعہ لگتا ہے لیکن اس سماج میں بسا اوقات معمولی معمولی باتوں کا جبر اپنے نفسیاتی الجھاوے جنم دیتا ہے' جو انسانی وجود کے اثبات وانحراف کی بنیادی کڑی بن جاتے ہیں۔

ناگی نے پرنس نکولائی کی طرح اپنے عہد کے "پیٹرز گیگانونز" سے اس طرح انتقام لیا ہے۔

وہ اپنی ایک کتاب کے انتساب میں لکھتے ہیں۔

ان کے نام
جنہوں نے مجھے رد کیا
جنہوں نے میرا تمسخر اڑایا
جنہوں نے میرے لئے زندگی مشکل بنائی
جنہوں نے مجھ کو مجھ سے چھین لیا
اور دیر تک سگاروں کے دھوئیں کے عقب سے میرے اضطراب کا تماشا دیکھتے رہے"۔(۳۶)

دوستوفسکی کے ناول

the underground 1864' Memoirs from the House of dead 1861
1866'- Crime and punishment 1865 '1866 ' - Notes from
The Brothers karamazov 1880 '- The Idiot 1869'- The Gambler
-' کلیسائی خارجیت اور انسانی عدمیت Nihilism کے موضوعات پر گہری روشنی ڈالتے ہیں۔ ان کا منظر نامہ سیاسی اور سماجی تضادات سے آراستہ ہے۔ خاص طور پر Crimeandpunishment' Idlot اور Brothers Karamazov نے اردو کے جدید ناول نگاروں اور نظم گوؤں کو کافی متاثر کیا ہے' اپنے ایک ناول میں انیس ناگی "جرم و سزا کے ہیرو" راسکولینکوف کو مخاطب کر کے کہتے ہیں۔

"اوہ راسکولینکوف تم نے فوریت کا وہ لمحہ کیسے چھین لیا تھا؟ میں سسک سسک کر اس کی طرف بڑھ رہا ہوں تمہارے سامنے سزا کے بعد نئی زندگی کے آغاز کا عزم تھا میرے سامنے اندھیرا ہی اندھیرا ہے۔ کہ میں بے عقیدہ ہوں بلکہ اگنوسٹ ہوں تم نے جرم اور سزا کے ذریعے نجات کا در کھولا' میں جرائم پیشہ نہیں تھا اس کے باوجود مجھے مجرم

قرار دیا گیا۔ میرے وجود کو عمومی صحت کے لئے مہلک قرار دیا گیا' اوہ راسکو لینکوف! تم نے زندگی سے رہبانیت کی طرف سفر کیا اور میں------------- میں منتشر ہوتا جا رہا ہوں" (۳۲)

انیس ناگی کے شاعرانہ کردار کی انتقامی نہج سے متعلق انہی کا ایک اور بیان دیکھئے۔

"میرے بارے میں میرے والد نے کوئی فیصلہ نہیں کیا تھا وہ شدید غصے کے لمحات میں مجھے مارتا اور کہتا کہ تو بدنصیب ہے اور ساری عمر کلرک رہے گا میرے والد کو مجھ سے نہ جانے کیا عداوت تھی شاید اسے غصہ نکالنے کے لئے کسی فرد کی ضرورت تھی" (۳۳)

سارتر لکھتا ہے

The rule is that there are no good fathers, it is not men who are at fault but the paternal bond which is rotten.......... my father would have lain down on me and crushed me......(34)

رواجی طور پر کہا جاتا ہے کہ اکثر باپ اچھے نہیں ہوتے' دراصل یہ مرد نہیں جو غلطی پر ہوتے ہیں بلکہ ازدواجی/پدری رشتہ جس سے سڑاند آتی ہے۔ میرے باپ کو بھی پہلے مجھے جنم دینا پڑا اور ازاں بعد اس نے مجھے ملیامیٹ کر دیا۔

والد کی عدم توجہی کے علاوہ بھی انیس ناگی کے کچھ انفرادی مسائل ہیں۔ "میری ماں میرے باپ کی تیسری بیوی تھی۔ میرا باپ اچھی سرکاری پوزیشن پر تھا اور وہ ایک معمولی

خاندان سے تھی۔ گھر میں اتنے زیادہ بہن بھائیوں اور سفاک باپ کی موجودگی میں ایک دوسرے سے شخصی ربط استوار نہیں ہو سکتا تھا مجھے اکثر یوں لگتا کہ ہم انسانوں کی بجائے ایک "ریوڑ" ایک اصطبل میں رہتے تھے جہاں محبت اور ایک دوسرے کو سمجھنے کا سبق نہیں دیا گیا تھا؟" (۳۵)

آدمی بدذات ہے اس واسطے ہم
دانت اپنے بھینچ کر
سانس اپنا روک کر
مختصر سی گفتگو کے ساتھ یونہی جی رہے ہیں
غالباً اقرار میں
انکار میں
کچھ بھی پتہ چلتا نہیں
ابہام ہے
ابہام ہے" (۳۶)
سارتر کہتا ہے۔

At the age of seven, I could fall back only on myself; who did not yet exist. I was an empty palace of mirrors in which the emergent century reflected its boredom. (37)

سات سال کی عمر میں بالاخر مجھے اپنی ہی ذات پر تکیہ کرنا تھا۔ وہ ذات جسے ابھی اثبات بھی حاصل نہ تھا۔ میری ہستی ایک ایسا آئینہ محل تھا جس میں میرے زمانے کی اکتاہٹ جلوہ نما تھی۔

انیس ناگی لکھتے ہیں۔

"شروع ہی سے میرے اندر ایک نامعلوم سی اداسی اور پیچھے رہنے کا احساس موجزن تھا۔ میں اچھے کپڑے نہ پہن سکتا' میرے پاس کوئی ایسی چیز نہ تھی جس پر اس عمر کے لڑکے فخر کرتے ہیں اس اعتبار سے میرا بچپن سپاٹ ہے' میرے اندر اپنے لئے ایک طرح کا رحم پیدا ہوتا کہ یہ سب میرے لئے کیوں نہیں ہے' گھر میں میری صورتحال ایک نہ ہونے کی اکائی کی تھی" (۳۸)

والد کے شخصی آسیب کے موروثی اثرات پر ایک نظر ڈالئے۔

خودسری' ضد' اپنی راستی پر بے پایاں یقین' خودپسندی' طبیعت میں بے پناہ غصہ' ایک طرح کی جذباتی سنگ دلی' منہ پھٹ ہونا اور گستاخی میری وراثت میں آئی ہے" (۳۹)

بچپن کی عائد کردہ اجنبیت اور دوسرے درجے کے سلوک نے انیس ناگی کو اس طرح کی شاعری پر اکسایا ہے۔

دن کے ماتھے پر سویرے میں نے اپنا ہاتھ رکھا

دن کا چہرہ گرم تھا بیمار تھا

ہر چیز باسی دھوپ کے یرقان میں گدلی چمکتی زرد تھی (۴۰)

ہمیں تو اپنے گھروں سے بھی خوف آتا ہے۔

یہ گھر ہمیشہ عذاب ہوتے ہیں

کہ باپ آوارہ

ہوٹلوں میں
یا چاندنی میں
اداس سڑکوں پہ پھر رہا ہے
شراب پی کر
کسی تلاش میں ہے
یہ گھر سے بھاگا ہے
باپ ایسا
کہ آخرت کا نہ خوف اس کو (۴۱)

کوپن ہیگن Copenhegen میں ۵ مئی ۱۸۱۳ء کو پیدا ہونے والے کر کیگارد Kierkegaard کو بھی ناگی کی طرح ایک متشدد باپ مائیکل Michacl کی صحبت میسر آئی تھی، کیرک اپنے باپ کی دوسری بیوی سے تھا جو کبھی مائیکل کی پہلی بیوی کی ملازمہ رہ چکی تھی اور آخر کار مائیکل کی داشتہ کی حیثیت سے اس کے بیٹے کی غیر قانونی ماں بن گئی تھی جسے ازاں بعد مائیکل نے باقاعدہ مناکحت کا قانونی حق دیا، کیرک کے بہت سے بہن بھائی تھے جو یکے بعد دیگرے خدا کو پیارے ہوئے یہاں تک کہ مائیکل کو یہ خیال ستانے لگا کہ ان کی موت دراصل باپ کے گناہوں کا نتیجہ ہے، مائیکل بیک وقت کاٹا قسم کا کاروباری اور متشدد مذہبی آدمی تھا اور دوسروں سے ایسی اطاعت گزاری کا متوقع جو کیرک کی زبان میں کامل سعادت مندیabsolute obedience کہلاتی ہے یہی کامل اطاعت کی خواہش بعد میں مائیکل کے اوہام اور دیوانگی Insanity کی وجہ بنی۔ (۴۳)

ناگی نے اپنی سرگزشت سات یا نو سال کی عمر پر ختم کر دی ہے جس سے مزید خاندانی معاملات پر روشنی نہیں پڑتی تاہم ناگی کے جاننے والوں کا کہنا ہے کہ وہ قرابت داروں اور

احباب کی صحبت سے بھاگتے ہیں اور قریبی رشتے بھی کسی وقت انہیں فالتو ہی نظر آتے ہیں۔ (۴۴)

انیس ناگی اپنے ذاتی تعلقات کے بارے میں لکھتے ہیں۔

"بچپن میں میرا کوئی دوست نہیں تھا اور اب بھی میرا کوئی دوست نہیں ہے اس لئے نہیں کہ میں شروع ہی سے خلوت پسند ہوں بلکہ اس لئے کہ میرے حالات غیر معمولی تھے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ہماری کوٹھی شہر سے دور ہوتی اس لئے شاذو نادر ہی کوئی ہم جماعت مجھے ملنے آتا۔ یہ زندگی بے رنگ تھی اس پر میرے باپ کی چھاپ تھی، میں طرح طرح کے منصوبے بناتا کہ گھر سے بھاگ جاؤں (روسی ناولوں کی اثرات) اور کسی دوسرے شہر جا کر کسی فیکٹری میں کام کرلوں۔ میرا بچپن سہارے اور شفقت کے بغیر بسر ہوا۔ اتنی عمر گزرنے اور طرح طرح کے لوگوں کو ملنے کے بعد بھی میں اس نتیجے پر ابھی تک قائم ہوں انسان میں اچھائی بہت کم ہے۔ ہر انسان خود غرض ہوتا ہے اور مجبوری کی حالت میں دوسروں کو قبول کرتا ہے" (۴۵)

خلا اندر خلا ہے
سم میں
خلا اندر خلا ہے
ذہن میں
خلا اندر خلا ہے
روح میں
اب طبیعت بھر گئی ہے

ذات تنہا ذات سے
دوسروں سے کیا ملیں
دوسرے بھی اک خلا ہیں (۴۶)

کیرک لکھتا ہے۔

"I have never known the joy of being a child, to what ever extent I may have lived in other respects, I had in fact humanly speaking skipped over childhood and youth instead of being young, I became a poet, which is youth at one remove." (47)

میں کبھی نہیں جان سکا بچپنے کی مسرت کیا ہوتی ہے۔ میں شاید کچھ اور ہی صورتوں میں جیا۔ میرا بچپن اور جوانی ایک ساتھ ہی آئی اور گزر گئی۔ جوان ہونے کی بجائے میں شاعر بن گیا شاعری ایک طرز کی جوانی ہی ہے"

انیس ناگی کی نوعمری کا افسردہ زمانہ جوں توں گذرا' بچپن کی پر آسائش لیکن جذباتی طور پر تکلیف دہ زندگی کے بعد پیدائش کے آٹھ سال ے ۱۹۴۷ء کی تقسیم کی سرحد پر لے آئے' نئے ملک میں پاؤں رکھنے کو جگہ بھی درکار تھی اور نام کی سربلندی کے لئے سماجی اور معاشی سہارے بھی' ناگی کو اس زمین پر آنے کے بعد اپنی امرتسر میں چھوڑی ہوئی حویلیاں یاد آئیں اور باپ کا کمایا ہوا نام بھی۔ اندازہ سا ہے کہ تقسیم کے کچھ عرصے بعد انیس ناگی کے والد داغ مفارقت دے گئے اور معاشی حالات دگرگوں ہوئے' مہاجرت کا واقعہ ناگی کی

زبانی سنئے۔

لاہور کا نام میرے لئے نیا نہیں تھا۔ لاہور میں میری دو سوتیلی بہنوں کی شادی ہوئی تھی ایک کا میاں ڈاکٹر تھا اور دوسری کا وکیل ۔ میرا خیال تھا کہ ہم سوتیلی بہنوں میں سے کسی کے یہاں چلے جائیں گے لیکن میرے والد نے ہماری عارضی رہائش کا بندوبست پہلے ہی کیا ہوا تھا۔ اس شہر میں کوئی چونکا دینے والی بات نہیں تھی" (۴۸)

لیکن اس کے باوجود انیس ناگی نے اس شہر کو اپنی تحریروں میں طرح طرح کی تمثیلوں سے بیان کیا ہے' ان کے ناولوں چوہوں کی کہانی میں "یہ کامیو کے ناول" طاعوں کا "اوراں" ہے' ایک ناول میں اسے قلعہ کہا گیا ہے' ایک ناول میں اس شہر کا محاصرہ ہوتے دکھایا گیا۔ پھر" لاہور جو شہر تھا" کے نام سے اس کی تاریخ مرتب کی گئی ہے' ایک گرم موسم کی کہانی بھی اسی شہر کے دفتر کے گرد گھومتی ہے یہاں تک کہ "دیوار کے پیچھے" کا احمد بھی اسی شہر کا باشندہ لگتا ہے۔

اس شہر کی صورتحال انیس ناگی کے مضمون میں اس طرح جلوہ گر ہوتی ہے "لاہور تنہائی کا شہر ہے' جوں جوں اس کی آبادی بڑھتی جا رہی ہے۔ اس کی تنہائی میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ اس صورتحال میں نئی دوستیاں بنانا بہت مشکل ہے۔ میں اسی لئے اپنے آپ کو تنہا پاتا ہوں۔ ہو سکتا ہے میرے مزاج کے اندر تلخی اور میری تحریروں میں سفاکی یا ناخوشگواری موجودہ حقیقت کے ادراک سے پیدا ہوئی ہے جس میں مجھے ہر شخص ایک مکار درندہ نظر آتا ہے" (۴۹)

صبح ہوتے ہی فضا میں سرمئی گندہ دھواں
پان کی پیکیں سڑک پر، جا بجا
بکھری ہوئی ہیں ڈبیاں
کل رات کا ٹھہرا دھواں، بدبو
چمکتے بوٹ، گندی جوتیاں، کمریں جھکیں
اور بوڑھے خاکروبوں کے گھسے جھاڑو
خاک کے بادل
چمکتی موٹروں میں رات کی
ژولیدہ زانی عورتیں
اونچی دکانوں کے تھڑوں کے سامنے بیٹھے ہوئے
تلاش رزق میں آئے دیہاتی دم بخود
جاپان سے درآمد بے داغ کاروں میں
سفر کرتے ہوئے
اخبار پڑھتے سازشی بوجھل دماغوں کو لئے
ان دفتروں کو جا رہے ہیں
رات کی جو حکمرانی کے لئے کب سے بنے ہیں

صبح روشن ہو چکی ہے
اور اہل دل دریچوں میں کھڑے اخبار پڑھتے۔
شام کے ہیں
منتظر

اب اس شہر کا ایک اور منظر نامہ دیکھئے جو ہمارے اینٹی ہیرو کا پلیٹ فارم ہے۔

"میں جس شہر میں رہتا ہوں یہاں رشتے مستحکم ہونے کی بجائے محو ہو جاتے ہیں' کچھ اسے صارف معاشرے کی علامت کہتے ہیں' لاہور کی آبادی ایک کروڑ نفوس پر مشتمل ہے جو ایک دوسرے سے غیر مربوط اور تنہا ہیں۔ اس کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ مفصل علاقوں سے اتنے بڑے پیمانے میں ہجرت ہوئی ہے کہ اصل لاہور کے رہنے والے معدوم ہو گئے ہیں۔----------- ایک کروڑ نفوس اپنے آپ میں تنہا ہیں۔ یہ تمام تنہائیاں مل کر ایک ایسی تنہائی کو جنم دیتی ہیں جو زمین و آسماں تک پھیلی ہوئی ہے۔

ہر طرف شور ہی شور ہے۔
اپنی آواز کیسے سنوں' دوسروں کو سناؤں۔
کہ گوش سماعت سے میرے لبوں تک
فقط شور ہی شور ہے۔
معنویت سے عاری۔
دماغوں میں ہلچل مچاتا۔
مرے شہر کے لوگ بھی خوب ہیں
جو سدا شور کے خول میں
زندگی کی بہیمانہ لذت میں اعضاء کو ڈھیلا کئے جی رہے ہیں۔

ہر طرف شور ہی شور ہے
تیز چلتے ہوئے ہر قدم کا
دھڑکتے ہوئے ہر بدن کا۔
دلوں سے ' مشینوں سے ' پہیوں سے باہر نکلتے ہوئے شور سے۔
میں بہت مضطرب ہوں
کہیں میری آواز کا نقش ملتا نہیں ہے
میں گم گشتہ آواز کی جستجو میں رواں
زندگی کے مدارج سے ہوتا ہوا
عہد حاضر کی دہلیز پر اپنے اعلان کا منتظر ہوں(۵۲)

آئیے دیکھتے ہیں کہ انیس ناگی کا اعلان کیا ہے۔ اس اعلان کی امکانی حیثیت "able Possibility of being" کیا ہے اس کے منشور کی جہتیں کیا ہیں؟ اس کی اثباتیت کی بنیاد کیا ہے ' اور اس کو رد کرنے کی گنجائش کتنی ہے؟

۱۹۴۷ سے ۱۹۵۸ء تک کا زمانہ ناگی کی تعلیمی سرگرمیوں کا زمانہ ہے۔ یوں سمجھئے شعوری طرح پر صورت انکار یعنی Disciple کی تشکیل کا زمانہ۔ اخلاقی نظام کی پر ہجوم بندشوں کے ٹکراؤ کا زمانہ انسانی جبلتوں کا نعم البدل تلاش کرنے کا زمانہ ' تاریخ اور تہذیب سے متنفر ہونے کا زمانہ ' بہت ساری شخصی جہتوں کے اتصال ' انجماد ' انتشار اور بکھراؤ کا زمانہ ' انیس ناگی کی زندگی ریزہ ریزہ ہوتی ہے اور وہ اپنے داخلی تجزیے کے دور میں قدم رکھتے ہیں ' ۲۳ ' ۲۴ سال کا نوجوان جو شاید اعلیٰ تعلیم سے فارغ ہوا ہے اور تہذیبی زندگی میں قدم رکھنے جا رہا ہے۔ اپنے تصوراتی آدرشوں کے ساتھ ' گورنمنٹ کالج کی فضا کے

اندر بھی ہے اور باہر بھی تسلیم کئے جانے اور رد کئے جانے کی صلیب پر گڑا ہوا ہے۔

بقول انیس ناگی ۱۹۵۸ء کی بات ہے افتخار جالب لاء کالج میں تھے اور میں گورنمنٹ کالج میں تھا' ہم ہر شام بیٹھ کر باتیں کرتے اور نظمیں سناتے تھے' ہم نے سوچا کہ بات اس سے آگے بڑھنی چاہئے .... جیلانی کامران ایڈنبرا سے نئے نئے آئے تھے' انہوں نے ہمیں اپنا مجموعہ استانزے دیا ہم بہت متاثر ہوئے.......... انہوں نے ایک کتاب شائع کر دی اور نظریہ سازی کا کام بھی شروع کیا کہ ہمیں نئی شاعری (واضح رہے یہ نہیں کہا گیا نئی نظم) کی ضرورت ہے اور کن وجوہات کی بناء پر ہمیں نئے محاورے کی ضرورت ہے۔ حلقہ ارباب ذوق کا وہ زمانہ بہت ظالمانہ تھا۔ چنانچہ ہم نے اپنی نہایت جارحانہ تنقید کا آغاز کیا اور جتنے ژولیدہ ادیب تھے ان کی صفوں کو درہم برہم کیا' انہوں نے کہا کہ نئے شاعر بے بحر نظمیں لکھتے ہیں۔ کوئی اخبار ہمیں نہیں چھاپتا تھا۔ کوئی رسالہ ہمیں نزدیک نہیں آنے دیتا تھا۔ چنانچہ ہم نے اس زمانے میں دس دس روپے اکٹھے کئے اور پہلا شعری انتخاب "نئی نظمیں" کے نام سے شائع کرایا" (۵۳)

انیس ناگی نئی شاعری کے منصوبے سے متعلق لکھتے ہیں۔

نئی شاعری کی دریافت اور افہام کے متناقص رویوں کی گوناگونی کی بنیاد ایک غلط ذہنی مفروضہ ہے۔ راشد کی نسل کی شاعری اور ۱۹۵۸ء سے بعد کی شاعری میں لب ولہجے کا اختلاف اس بنیادی تصوراتی تغیر کا مظہر ہے" (۵۴)

وہ نئی شاعری کے تصوراتی اور جذباتی لہجے کو ایک مخصوص تاریخی اور تمدنی سیاق وسباق سے ماخوذ بتاتے ہیں۔ ان کا خیال ہے ۴۷ سے فوراً بعد کی منظومات میں جس جذباتی اضمحلال اور ذہنی افسردگی کا احساس ہے وہ پرانے ثقافتی اثاثے سے علیحدگی کا نستالجیا Nostalgia ہے۔ یہ شاعری فرد کو ایک کائناتی استعارہ بنانا چاہتی ہے' سائنس اور

ٹیکنالوجی کی تصوراتی اور مادی ترقی نے انسانی رشتوں کی دنیا کو باطنی اور خارجی سطح پر ایک نئے چوراہے پر کھڑا کر دیا ہے' مذہب' فلسفہ اور سائنس جذباتی طور پر ایک غیر مربوط نظام میں ڈھل گئے ہیں۔ نیا انسان خارجی فتح مندیوں کے باوجود دائمی کرب میں مبتلا ہے' دیکھنا یہ ہے کہ اس کی تنہائی کی نوعیت کیا ہے؟ کیا وہ مستقبل سے منکر ہے؟ کیا وہ کسی اعتقادی نظام سے منقطع ہو چکا ہے' کیا اجتماعی نظام بے سود ہو چکے ہیں؟ کیا سب استفسارات پرانے ہو چکے ہیں؟

نیا شاعر اسی ذہنی آشوب کا جواز تلاش کر رہا ہے۔ اس کا فکری نظام اس اسلوب زیست سے جنم لے رہا ہے وہ جس لسانی پیرائے کی تشکیل میں مصروف ہے اس کی تردید کرنے والے درحقیقت ایک طرح اسے تسلیم کر رہے ہیں۔ نئی شاعری تشکیک اور بے یقینی کے اس عارضے سے نجات کی ایک صورت ہے۔

انیس ناگی نے لکھا ہے "نئی شاعری میں امیجز کی نوعیت تجرباتی ہے' نیا شاعر ہر طرح کے وسائل اور ذرائع کو کام میں لا کر عہد حاضر کی پیچیدگی کے روبرو ہے۔ (۵۵)

نئی شاعری کا لسانی اسلوب نئے طرز احساس کی ایک صورت' نئی نظم کی تشکیل' محمد صفدر' عباس اطہر' افتخار جالب' زاہد ڈار' جیلانی کامران' تبسم کاشمیری' عبدالرشید پر لکھے گئے تنقیدی نوٹ انہی خیالات کی کڑی ہیں" (۵۷)

چنانچہ وہ نئی اور جدید شاعری کی بحث کا فیصلہ اگلے زمانوں پر اٹھا رکھتے ہیں۔

آتے جاتے لوگو ٹھہرو۔
تم بھی ایک وقوعہ کی منطق ہو
تم متذبذب ہو

ہمیں اپنے اس شاعرانہ ہیرو کی کارکردگی کے پیچھے اس کس سماجی نظام کی برتری اس

کی اعلیٰ تعلیم اور اس کے قہوہ خانے (۵۹) کے احباب کو اشتیاق کی نگاہ سے دیکھنا پڑتا ہے' روٹی' کپڑا اور مکان اور نسل کا مسئلہ نہیں' نہ ہی وہ کلاس تبدیل کرنے کے جنون میں مبتلا لوگوں کا ٹولہ ہے۔ اس نسل کی تربیت مشرق کے علوم پر بھی ہے اور مغرب سے درآمد شدہ ادب و فن اور فلسفے پر بھی۔ وہ مذہب سے لا تعلق بھی ہے اور اپنے راسخ العقیدہ ہونے کا یقین بھی ہے۔ انیس ناگی جب ان نئے شاعروں کو باہر کی دنیا سے متعارف کراتے ہیں تو کتاب کا یہ نام رکھتے ہیں۔

"Makers of modern Paistani Literature"(59)

یعنی جدید پاکستانی ادب کے معمار۔ وہ جدید اور نئے شعرا کو ایک دوسرے سے مربوط کر کے یہ بتانا چاہتے ہیں کہ جدید اردو شاعری میں سے نئی اردو شاعری نے جنم لیا ہے۔

شاعروں کی فہرست میں میراجی' ن' م راشد' فیض احمد فیض' احمد ندیم قاسمی' مجید امجد' محمد صفدر' ضیاء جالندھری' منیر نیازی' جیلانی کامران' افتخار جالب' احمد فراز' عباس اطہر' جاوید شاہین' فہمیدہ ریاض' زاہد ڈار' سلیم الرحمٰن' سرمد صہبائی' تبسم کاشمیری' عبدالرشید' سہیل احمد' اصغر ندیم سید' زاہد مسعود' مقبول خان مقبول کے نام شامل ہیں۔

اس فہرست کا سب ہیڈنگ ہے جدید شاعری Modern Poetry----------

اس سے خیال یہ ابھرتا ہے کہ نظم کی ہیئت کی بجائے صرف اس کے موضوعات اور لسانی تراکیب سے ترسیل کے جتنے بھی پہلو نکل سکتے ہیں اس سے بحث کی گئی ہے اور نئے محاکات کو نئی شاعری کا نام دیا گیا ہے۔ ظاہر ہے پاکستانی شاعر کے تجربے اور مشاہدے کی فضا قبل از تقسیم کے شاعر سے مختلف ہی ہے۔

انیس ناگی کے مضامین میں نئی شعری روایت کی تلاش پر اصرار ہے۔اس کے باوجود

وہ جدید اور نئی شاعری کو ایک دوسرے سے متصل کرتے ہیں' وہ نئے لسانی مرکبات اور نئے محاکات کی تخلیق کو نئی شاعری کی اساس بناتے ہیں۔ فکری سطح پر اس نسل کے دونوں ہاتھ خالی ہیں۔ وہ ایک بے بس کی طرح زندگی کو صرف دیکھتے ہیں۔

کے دونوں ہاتھ خالی ہیں

مرے واسطے زندگی میں فقط دیکھنے کے سوا
اور کوئی حقیقت نہیں ہے۔
اس واسطے صبح سے شام تک دیکھتا ہوں۔
تجارت گھروں' کارخانوں' سکولوں میں ہاتھ اور لب
آزمائش کے بندھن میں جکڑے ہوئے ہیں۔
مرے واسطے اس تماشے میں کوئی بھی لذت نہیں ہے
کہ بیمار ہوں اور زباں ذائقہ کھو چکی ہے۔
کئی دن سے اخبار بھی بے مزہ ہے
فقط دیکھتا ہوں
اسے دیکھتا ڈھونڈتا ہوں۔
جو ہے اور نہیں ہے (۶۰)

جب لوگ روایت' قانون' مذہب' محبت اور ذمہ داری کے تسلسل سے نجات کے خواہاں ہوں ان کا عقیدہ نہ خدا پر رہے نہ ہمیشہ کی زندگی کے تصور پر تو پھران کے عذاب کی کوئی حد نہیں ہوا کرتی وہ اس کائنات میں ہرذی روح کی مصیبت کو اپنی مصیبت قرار دیتے ہیں۔ ان کی پریشانیاں ان کے وجود سے جنم لے کر انہی کے وجود کا احاطہ کرتی ہیں

اور وہ اپنی کائنات میں اپنی کامل یکتائی و تنہائی کے ساتھ صرف اپنے ہی قانون کے قلعے میں دم دبتے ہیں۔ انیس ناگی نے اپنے لئے دیکھنے کی سزا تجویز کی ہے' ذرا یہ نظم دیکھئے۔

معروضیت کے بوجھ نے شکلوں' چہروں اور جسموں کو روند دیا ہے
دھوئیں میں دھول اور دھول میں بسا تحلیل ارادہ بے نام
حقیقت کی کھوج میں مارا مارا پھرتا ہے
ساری شکلیں ایک سی ہیں
یہ عارضہ ساری خلقت کا ہے
پہچان کی خواہش میں سائے لم سلمے ہو جاتے ہیں
کوئی جان بھی لے تو کیا حاصل؟
پر جاننے کا کوئی انت نہیں ہے
آنکھیں دیکھتی ہیں اور خلیے خارش سے بوجھل ہیں
شاید ٹریکوما ہے
نہیں نہیں یہ دیکھنے کی لذت ہے (۶۱)

اس دیکھنے کی لذت اور لذت کے عذاب نے ۱۹۸۳ء میں ناگی کی آنکھوں کو جزوی طور پر نقصان پہنچایا ہے' اب وہ تیز روشنیوں میں پانی سے بھر جاتی ہیں اور عکس و آئینہ پل بھر کے لئے دھندلا جاتے ہیں۔

انیس ناگی نے اپنی سرگزشت میں لکھا ہے

ادیب کب تک دیوار کے سامنے تقریر کرتا رہے گا' اس احساس شکست کے باوجود میرے نزدیک لکھنا اور پڑھنا ایک عبادت ہے-------- میں ایک طویل عرصے تک

ادب کے سراب میں رہا ہوں

ادب کے سراب میں رِاہ ہوں۔ اب میری نگاہیں چندھیا گئی ہیں۔ میں ایک بات بتاتا جاؤں کہ زندگی کا بیشتر حصہ میں نے خراب صحت کے ساتھ بسر کیا ہے' لیکن میں نے ہمیشہ یہ ظاہر کیا ہے کہ میں بہت صحت مند ہوں' بیمار صحت کے ساتھ جو خوف اور نفسیاتی عارضے پیدا ہوتے ہیں وہ سب کے سب میرے اندر موجود ہیں۔ میرے مخالف اور میرے اہل خانہ مجھے نیوراتی کہتے ہیں۔ میں ان میں سے کسی سے الجھنا نہیں چاہتا" (۶۳)

آپ تو واقف حال ہیں
آپ سے کیا چھپاؤں
کہ میں قابل رحم ہوں
ایک ایسی وباء میں گرفتار ہوں
اور میرا بدن ہڈیوں کی نمائش پہ مجبور ہے
اب شکم ڈھول بن کر بدن کی حدوں سے بہت دور جا کر رکا ہے
مرا ذہن تشکیک و تشویش کی گود میں بے کلی اور عدم تحفظ سے مغلوب ہے۔
آپ تو جانتے ہیں
آپ سے کیا چھپاؤں۔
کہ جب ابتلاء ابتری ہو تو پھر اشتہا سے بدن کے خلا میں زمانے کا سارا خلا ڈولتا ہے۔
یہ میرا خلا ہے۔ (۶۴)

اپنے خلا کو دریافت کرنے والا فکری کولمبس اس دریافت پر خوش نہیں بلکہ وہ زمانے کے خلاء میں اپنے خلاء کو تحلیل کرتے سے اس طرح کی باتیں کرتا ہے۔

میں خزاں ہوں
میں خزاں کا کپکپاتا ہاتھ ہوں
دہلیز میری لامکاں۔
کبھی سے میری آنکھیں زرد ہیں۔
یرقان سے پھیلے بسنتی پھول ہیں۔
سب انگلیاں ٹوٹا قلم اور خشک ہے دریا کا پانی۔ (٦٥)

شاعر اور اس کے گرد پھیلی کائنات دونوں ایک دوسرے کی صورتحال ہیں۔ انسان کے اجزاء مل کر ایک کلیت تخلیق کرتے ہیں یہ کلیت ایک جز' ایک عمل اور ایک لمحے کا اثبات ہونے کے ساتھ ساتھ اپنے طور پر اظہار کی ایک مکمل شکل بھی ہے جو انتخاب کے اس عمل کو ہمارے سامنے لاتی ہے جو انسان کی شخصیت میں مخفی ہے۔ یہ عمل اس قوت یا تحریک کو بھی پیش کرتا ہے جو عموماً پس آئینہ کار فرما ہوتا ہے۔

انیس ناگی کی ابتدائی نظموں میں خواہش مرگ اور شاعر کی شعوری ہذیانی کیفیات شاعر کے وجود کا اثبات بنتی ہیں۔ وہ معاشرے سے لاتعلقی اور خاندانی راندگی کے تجربے کو ایک ایسی موت میں ڈھلتا دیکھتے ہیں جو لوگوں کے لئے وجہ گفتگو ہے اور ظاہر ہے لوگوں کی گفتگو میں رہنا ایک اہم بات ہے۔

مر گیا ہے' مر گیا ہے۔
جو ہمارے درمیاں خواہش' مصیبت کی تمنا کو جگاتا۔
زندگی میں زندگی کی گرم سی حیوانیت کے ولولے میں
صورتوں کو لفظ دیتا اور کہتا موسموں کی بات چھوڑو

آج ہی تصویر میں ہے آج دیکھو۔
مرگیا ہے مرگیا ہے۔
کی صدا چھت پر اترتی جا رہی ہے۔
رات رگ رگ میں بشارت بن کے پھیلی جا رہی ہے۔ (٦٦)

ایضاً : موت کی خوشخبری اپنی ہی نجات کا خود ساختہ اعلان ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی شاعر کو احساس ہوتا ہے کہ وہ تیرگی دور کرنے کی ہمت و حوصلہ نہیں رکھتا' چنانچہ وہ سوال اٹھاتا ہے۔

" چراغ روشن کروں تو کیسے
کہ میرے کیسے میں ست باتیں' گئے دنوں کی صداقتیں ہیں
ہزار راتوں کی تیرگی ہے۔
جو راستوں پر یوں ڈگمگانے لگی ہے۔
جیسے وفات سے قبل ہر ایک خواہش سنبھل سنبھل کر بکھر رہی ہو۔ (٦٧)

اس وراثت میں ان کے ہاتھ لگی ہے تنہائی' پژمردگی' خود رحمی' نفرت' غصہ' جبر اور راندگی کا افسردہ خیال۔۔۔۔ ظاہر ہے کیکر کے درخت پر گلاب نہیں اگ سکتے چنانچہ تکلیف کی شدت ہذیان کا درجہ اختیار کرتی ہے۔

کیوں نہیں ہذیان میری وہ بشارت ہے کہ جس کا درد میں نے تیری خاطر ہوش میں یا خواب میں۔
اس رات سینے میں اتارا

چاند بھی جب خوں میں مہکا آخری منزل میں تھا
دم دار تارا ٹوٹ کر ماتھے پر افشاں کی طرح بکھرا ہوا تھا۔
زہر پیتے ہی پسینے میں بدن لتھڑا ہوا تھا
دل مرا اک قفل میں جکڑا ہوا تھا
میں مسیحا ہوں کیپلے موسموں کا
میرے تالو میں مہکتی آگ ہے
آنکھیں میری دو بلبلے بہتے ہوئے روشن (٦٨)

ہذیان ایک طرز سے شاعر کا جنسی تجربہ بھی ہے' تاریکی کا کالا جسم' خواہش اور حنا سے اڈنے والی متلی' کنپٹیوں میں ڈھول بجاتی دہشت ہذیان کی اس رات کو طوالت عطا کرتی ہے۔ وہ رفاقت کے عذاب سے بچنے کے لئے اکیلے گھر کی خواہش میں مبتلا ہو جاتا ہے جہاں وہ اپنے آپ کو اپنی تنہائی میں اکٹھا کر سکے۔ انیس ناگی نے لکھا ہے۔

"میرا کمرہ دوسری منزل پر تھا' یہ ایک ہال نما کمرہ تھا جسمیں میں اور میرا بڑا بھائی دونوں رہتے تھے۔ لیکن ہم دونوں اپنی اپنی تنہائی سے لطف اندوز نہیں ہو سکتے تھے' ہم ایک دوسرے کو ایک دوسرے میں مداخلت تصور کرتے تھے' میرے والد کے انتقال کے بعد میرا بڑا بھائی نچلی منزل میں منتقل ہو گیا اور یہ کمرہ میری مکمل تحویل میں آگیا۔ یہ وہ کمرہ ہے جہاں مں نے اپنی زندگی کے بہت سے خواب دیکھے" (٧٠)

تنہا کمرے' تنہا گھر کی خواہش کو انیس ناگی کی اس نظم میں دیکھئے

گھر ملے تو رہوں

تنہا رہوں
سب صورتوں کو شہر کی دہلیز پہ میں چھوڑ کر تنہا رہوں
سب کواڑیں بند ہیں
اور لہو کی ساری نہریں خشک ہیں
میرے گھر کی کھڑکیوں میں سرد موسم کی چمکتی لہریں
مانوس کوئی شکل جھانکے۔
میں کہوں یہ بھوت ہے" (۱۷)

تنہا گھر انیس ناگی کے لئے اپنی ذات کو جمع کرنے کا ایک خارجی روپ ہے ان کا کہنا ہے کہ وہ دوستوفسکی کے ناول Notes from underground سے کافی متاثر ہوئے ہیں اور اس تہہ خانے کی ذاتی مکالمت کو انہوں نے اپنے ناول قلعہ میں ڈھالنے کی کوشش کی ہے' ان کے اقبال ٹاؤن لاہور والے گھر میں ایک بڑا تہہ خانہ ہے جسے انیس ناگی کی ذاتی ملکیت تصور کیا جائے تو بہتر ہو گا کہ وہ گھر کے اس حصے سے منسوب رہنا چاہتے ہیں جو مکمل طور پر ان کی ذہنی و جسمانی آسودگیوں اور اضطراب کا حوالہ بن سکے' اس تہہ خانے میں بقول ان کے وہ ٹیلی ویژن دیکھتے ہیں' لکھتے پڑھتے ہیں لیکن اس سے بھی بڑھ کر خواب دیکھتے ہیں۔(☆)

ہم اس تہہ خانے کو اپنے اینٹی ہیرو کی ایک داخلی دریافت بھی کہہ سکتے ہیں' جہاں وہ اپنی صحبت میں رہتا ہے اور اپنے خیال کی پرورش کرتا ہے' دنیا اور اس کے دھندوں سے لاتعلق ہو کر

"یہ ایک برا وقت ہے

جو سب پر آتا ہے

جس میں اپنی ذات اک بھاری پتھر بن کر

تھپ سے پانی میں گر جاتی ہے"۔(۷۲)

ذات کے بھاری پتھر کی آواز سن کر شاعر اس بات کا اندازہ کر لیتا ہے کہ اس کے پاس ابہام کی الجھنوں کے (۷۳) سوا کچھ نہیں ہے' وہ دکھ کے برزخ میں جل رہا ہے اور تعطل کا ہر لمحہ بدن شکن ہے وہ اعتراف کرتا ہے۔

میں کمزور ہوں

اور مرا ربط ٹوٹا ہوا ہے

زمیں سے شجر سے' ہجوم زن و مرد سے

خشک پتے کی مانند ہر راہ پر میں پریشان ہوں

ہر طرف بھنبھناتی صداؤں سے اوسان ایسے خطا ہیں

کہ الجھا ہوا ایک الجھاؤ ہے

جو سلجھتا نہیں ہے

مرے واسطے زندگی ایک دوران سر ہے

نہ سر ہے نہ پاؤں" (۷۴)

چنانچہ لامعنیت کی ریت میں ہر چیز گر کر ٹوٹتی ہے" (۷۵)

تہہ خانے سے برآمدگی پر شاعر اپنے آپ کو عریاں سمجھتا ہے' وہ در و دیوار جو وہ پہن کر بیٹھا تھا ان کی عدم موجودگی اسے بے حیثیت اور بے حفاظت کر دیتی ہے'وہ زمانے کی دھوپ اور تاریکی کو مشکوک نظروں سے دیکھتا ہے اور اپنے بچاؤ کے لئے سایوں کی ہمسائیگی کا جواز ڈھونڈتا ہے۔

میں خواہش کی پوشاک میں کل سے ننگا پھروں
اس زمیں پر جہاں کوئی سایہ نہیں جو
مجھے ڈھانپ لے
میرے پاؤں میں ذروں کی زنجیر جکڑی ہوئی ہے
بدن پر فقط دھول کی اوڑھنی ہے
میں آنکھوں سے خود کو چھپاتا ہوا
گھومتے تیز لٹو کے سکڑے ہوئے پیٹ میں
سلوٹوں پر خموشی کو تھامے ہوئے پہنچتا ہوں وہاں پر
جہاں کچھ نہیں، تیرگی حکمراں ہے۔
کسمساتے ہوئے جسم کی دستکیں ہیں (۷۶)

اس شرم کی وجوہات جسمانی سطح پر میراجی کی جنسی علامات سے قریب ہیں، گھومتا ہوا تیز لٹو، سلوٹیں، تیرگی کی حکمرانی، کسمساتے ہوئے جسم کی دستکیں، ہمسائیگی کا عمل، آنکھوں سے اپنی ذات کو چھپانے کی کوشش وغیرہ وغیرہ۔

دوسری جانب اس شرم کی ایک اور وجہ اس کائنات میں ایک بے آسرا اور غلام ذی روح کی طرح زندہ رہنا ہے۔ جس کے پاؤں مٹی نے پکڑ رکھے ہیں، جس کے لئے راہ نجات کوئی نہیں اس بنیادی نامعتبر خیال سے ایک عجیب غریب بدمزگی شاعر کا احاطہ کر لیتی ہے اور وہ اس کا ایک جنسی جواز تلاش کرتا ہے۔

"آسماں کے تلے میں رہوں کس لئے

تنگنائے بدن توڑ کر میں رہوں، میں رہوں کس لئے
گر تمہارے بدن میں حرارت کی اک بوند بھی ہے
مجھے دو کہ بیمار ہوں
ایک عورت ہے جس نے ضرورت کے پھندے میں چالیس سالوں سے
مری رگ و پے کو جکڑا ہوا ہے
اس کا سرِشام سایہ بدن سے نکل کر تعاقب میں رہتا ہے
سالوں، مہینوں
دماغ ایسا الجھا ہوا ہے
قرینے کے سب سلسلے منتشر، ابتری ابتری" (۷۷)

سرِشام بدن کے سائے سے نکلتی ہوئی عورت مسرت، رفاقت، محبت کی علامت نہیں، ضرورت کا پھندہ ہے جو شاعرانہ مفاہمت کو انتشار میں تبدیل کرتا ہے، نسوانی خیال انیس ناگی کے یہاں طمانیت کے تصور کو نہیں ابھارتا بلکہ یہ پریشانی کا مسلسل دورانیہ ہے جو شاعر کے غم وغصے میں اضافہ کرتا ہے۔ بلکہ شاعر اعتراف کرتا ہے

"تمہیں وہ ملے تو اسے مت بتانا کہ چالیس سالوں سے میری رگ وپے میں
خارش کا چشمہ ابلتا رہا ہے" (۷۸)

کیر کیگارد اور اس کی محبوبہ ریجنا Rigina کی نیم مجنونانہ محبت سے کیر کیگار کے یہاں شرم، جرم، خوف، دہشت اور اضطراب کے جذبات کو تقویت پہنچی تھی، انیس ناگی کے ہاں بھی عورت کے ذکر سے منہ کا ذائقہ تبدیل ہو جاتا ہے، آنکھیں چڑھ جاتی ہیں اور

شاعر اعصابی اینٹھن کے دباؤ سے بچنے کے لئے فرار آمیز خودگرفتگی کے تجربے میں ڈوب جاتا ہے۔ اضطراب دائمی کا زلزلہ جسم وجاں کو کپکپانے پر مجبور کرتا ہے دوغلے معیاروں والی عورتوں کی فریب انہیں خوف زدہ کرتے ہیں (۷۹) زمانہ اپنی بے ثمر سفاکیت سے شاعر کو مزید افسردہ کرتا ہے۔

یہ جنم تو ایک مہلت ہے
زمانے کے تسلسل میں
ہمیں لاشیئت کی بے حسی سے جو بچاتا ہے
نہ جانے کیا ہوا تھا
ایک دن ذہن بھی ماؤف تھا
اور بے خیالی میں گزرتے روز و شب میں
ایک عورت کی محبت میں پریشاں
یہ جنم ضائع کیا ہے
بہت ہی عامیانہ خواہشوں کی پیروی میں
دربدر پھرتے ہوئے
ہرایرے غیرے کی خوشامد
دھمکیوں میں سر جھکا کر زندگی ہم نے بسر کی
ایک عورت کے لئے ہم
ذات کے ہر فیصلے کو ملتوی کرتے ہوئے
بن باس میں زندہ رہے ہیں

عاشقی کے روپ میں
اس بے مروت عہد میں رہتے ہوئے
اپنا جنم ضائع کیا۔
اب زندگی کی خاک کا طوفان ہے
لایعنیت کی آتش خاموش ہے
جس میں ستی ہونا ہے مجھے —

انیس ناگی کے خیال کی لایعنیت کا ایک سرا کسی مخصوص عورت کے تصور سے بندھا ہوا ہے۔ وہ بار بار خیال کے دامن کو جھٹک کر اس کی لاشعوری موجودگی سے نجات چاہتے ہیں بلکہ اس اقرار واثبات اور تنافرو توجہ کی کشمکش میں کئی مقامات پر ان کا اپنا رویہ "نسوانی" ہو جاتا ہے" وہ عورت کی لگائی ہوئی آتش خاموش میں ستی ہونے کا تجربہ کرنا چاہتے ہیں بلکہ ایک طرح سے ستی ہونے کے تجربے سے گزرتے ہوئے اپنی چتا کا تماشا دیکھتے ہیں۔ اگرچہ عورتوں کے بارے میں وہ اپنے تجربات ذاتی کو شجر ممنوعہ سمجھ کر نثری سرگزشت میں لاپرواہی کا رویہ اختیار کرتے ہیں' اپنی ظاہرا حالت کی پتھریلی اور غصیلی چمک دمک سے ان کا قاری بھی کچھ عرصے کے لئے دھوکا کھاتا ہے' ان کا کہنا ہے:

"میں نے اپنی بیس سالہ زندگی سے چالیس سالہ زندگی تک ابھی کچھ نہیں کہا تاہم میں کبھی عورتوں میں مقبول نہیں رہا۔ اور نہ ہی عورتیں میرے یہاں قبولیت کا درجہ پا سکی ہیں" (۸۱)

وہ اپنی ایک ہم عصر شاعرہ کے بارے میں لکھتے ہیں۔

"میرے پاس ایک شاعرہ آئی' اس نے مجھے کہا کہ دیکھئے میری شکل کتنی خوبصورت

ہے تو میں نے کہا کہ آپ تو بالکل اوسط درجے کی شکل رکھتی ہیں" (۸۲)

کچھ اسی قسم کے جارحانہ جذبات وہ کشور ناہید کے بارے میں رکھتے ہیں" (۸۳)

۱۹۷۵ء میں انیس ناگی نے یورپ کا سفر کیا' دو سال انہیں الجزائر میں سرکاری ملازمت کا موقع ملا' ۱۹۸۳ء میں وہ چار ماہ کے لئے جاپان گئے۔ شاید اس کے بعد بھی انہیں چند غیر ملکی دوروں کا موقع ملا ہو۔ لیکن وہ ان دو برس کا تذکرہ بڑے اشتیاق سے کرتے ہیں جو الجزائر میں گزرے' وہاں کی عورتوں کے بڑے مداح ہیں اور اعتراف کرتے ہیں کہ کچھ عورتوں سے ان کی بڑی دوستی رہی (۸۴)۔

ذرا ان کی خودنوشت میں ان کی گھریلو عورتوں کا جائزہ لیجئے۔ "میری ماں ایک سیدھی سادھی ناخواندہ عورت تھی جو صرف صبر کرنا جانتی تھی' وہ میرے باپ کی تیسری بیوی تھی" (۸۵)

"میری ماں گھر میں وہی کچھ کرتی جو میرے والد کہتے' انکی وفات کے بعد وہ ہی کچھ کرتی جو اس کی لڑکیاں کہتیں' اس کی اپنی کوئی پسند ناپسند نہیں تھی' ماں اور بیٹے میں جو داخلی ربط ہوتا ہے میں اس سے محروم رہا ہوں۔ (۸۶)

"جب میں کسی بات سے ناراض ہو کر کھانے سے انکار کر دیتا تو گھر کا کوئی فرد مجھے کھانے پر مجبور نہ کرتا' میری ماں یہی کہتی رہتی اسے کھانا دو' لیکن وہ خود میرے لئے کھانا لے کر نہ آتی" (۸۷)

"میرے والد کی "پہلی شادی" اٹھارہ برس کی عمر میں ہوئی۔ جو تقریباً سات سال رہی۔ پہلی بیوی کے انتقال کے چھ برس بعد دوسری شادی لاہور میں بھاٹی دروازے میں رہنے والی ایک خوبرو سبز آنکھوں والی عورت سے ہوئی' والد اپنی دوسری بیوی سے محبت کرتے تھے لیکن شدید غصے کے عالم میں اس کو زدو کوب بھی کرتے تھے' ان سے ان کی

کوئی اولاد نہ تھی تیسرے برس وہ زچگی میں فوت ہو گئی۔ میری ماں ان کی تیسری بیوی تھی۔ اس کی شادی ایک ادھیڑ عمر کے تین بچوں کے باپ سے ہوئی تھی جو اپنے بارے میں بے پایاں تفاخر کا مالک تھا" (۸۸)

اب ذرا انیس ناگی کے ایک ناول "چوہوں کی کہانی" کا یہ اقتباس دیکھئے۔

"میری گھریلو زندگی کچھ پھیکی پھیکی سی رہی ہے۔ مجھے اپنی بیوی سے کچھ توقعات تھیں کہ اس کے ذریعے میری زندگی کا معیار بہتر ہو سکتا تھا' میری بیوی کا خیال تھا کہ مجھے بہتر زندگی کے لئے کوشش کرنی چاہئے۔ میں دوسرے درجے کا میونسپل افسر تھا۔ ہماری شادی کا ثمر ایک لڑکا ہے۔ اس کا مزاج تیز ہے' اس نے اپنے لئے علیحدہ مکان لے لیا ہے' وہ ہفتے میں ایک مرتبہ ملنے آتا ہے۔ اس نے مجھے ایک ملازم رکھ دیا ہے" (۸۹)

"وقت کی کہانیاں" میں ایک بیان درج ہے۔

"وہ درمیانے درجے کا افسر ہے اسے اپنے ادارے کی طرف سے ایک چھوٹا سا مکان ملا ہے جس میں اس کی ماں اور ملازم رہتے ہیں' شادی کے پانچ سال بعد اس نے اپنی بیوی کو اسی دن طلاق دے دی تھی جس دن اس کی شادی ہوئی تھی' طلاق کی کوئی خاص وجہ نہیں تھی اس کی بیوی اس کی ماں کی خالہ کی بیٹی تھی دونوں کے مزاج میں اختلاف تھا۔ اس نے اپنی بیوی سے کہا اگر ہم ایک دوسرے کے لئے ناقابل فہم ہیں تو پھر ہمیں الگ ہو جانا چاہئے۔ اس کی بیوی اس کا تین سالہ بچہ بھی ساتھ لے گئی" (۹۰)

ایک اور کہانی میں انیس ناگی عورت کے بارے میں لکھتے ہیں۔

"میں جس دنیا میں رہتا ہوں اس میں عورت اور آدمی کو نکاح کرائے بغیر ملنے کی آزادی نہیں ہے جو اس کے بغیر ملتے ہیں وہ بلاوجہ اپنے لئے مشکلات پیدا کرتے ہیں کیونکہ عورت ایک نوع ہے اور کسی بھی عورت کو پکڑ کر اسے خصوصی بنایا جا سکتا ہے"

اس کہانی میں ایک مقام پر درج ہے۔

"میری ماں نے اپنے رشتہ داروں میں ایک عام سی لڑکی سے شادی کر دی' ایک سال کے بعد ہی ہمارے مزاجوں میں فرق نمایاں ہونے لگا۔ اس کی وجوہات تو بہت سی تھیں تاہم دو زیادہ اہم تھیں۔ ایک تو وہ اچھی اور آرام دہ زندگی چاہتی تھی اور دوسرے یہ کہ اس کا ٹونے ٹوٹکوں پر بہت زیادہ اعتقاد تھا گھر میں ہر جگہ تعویذ لٹکے رہتے میں چونکہ وہابی عقیدے کا تھا' اسلئے اعتراض کرتا تھا" (۹۲)

یہی کردار اگلے لمحے اعتراف کرتا ہے۔

"میں نے ابھی اپنے خیالوں میں ایک درجن لڑکیوں اور عورتوں سے محبت کی ہے۔ بلکہ اس سے دو قدم آگے بھی گیا ہوں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ صبح مجھے اپنا پاجامہ تبدیل کرنا پڑتا اور سارا دن ذہن میں ایک طرح کی بیزاری چھائی رہتی" (۹۳) اپنے مضمون جھلاہٹ میں انیس ناگی لکھتے ہیں۔

"میرے ایک نقاد نے کہا تھا کہ میری شاعری میں عورت کم سے کم دستیاب ہے۔ اور میرے ناولوں میں بھی عورتوں کے روپ کو اچھے طریقے سے پیش نہیں کیا گیا۔ میں اس بات کو جزوی طور پر تسلیم کرتا ہوں' میری نظموں میں اگر کہیں عورت ہے یا محبت کا احساس ہے تو وہ ان عورتوں کے لئے ہے جو مجھے دوسری سرزمینوں پر ملیں۔ میں پاکستانی عورتوں سے بے حد گھبراتا ہوں" (۹۴)

ناول "محاصرہ" کے دو اقتباسات پر بھی نظر ڈال لیجئے۔

"آمنہ کو اپنے عورت ہونے کا ضرورت سے زیادہ احساس تھا وہ ذرا ذرا سی بات پر اخلاقی مسائل چھیڑتی جس سے سلیم چڑ جاتا' ایک دن شادی سے پہلے اس نے غصے میں کہا'

یار ہو تو تم عورت' اس میں اترانے کی کیا بات ہے۔ ہماری عورتیں ذرا زیادہ ہی بنتی ہیں' دوسرے ملکوں میں عورتیں ٹکے سیر ملتی ہیں' یہاں کی ہر عورت اپنے آپ کو ملکہ وکٹوریہ سمجھتی ہے" (۹۵)

دوسری جگہ درج ہے۔

"ہر عورت کا بدن ایک مختلف جغرافیہ ہوتا ہے اس جغرافیے کی سیاحت میں ایک لطف مضمر ہے لیکن جب زمین دریافت ہو جاتی ہے تو یہ معمولات کا حصہ بن جاتی ہے اور معمولات کی پابندی زندگی کی حدت ختم کر کے اسے سپاٹ بنا دیتی ہے" (۹۶)

کرکیگارد اپنی تحریر Repetition میں (۹۷) میں ایک جوان آدمی اور اس کی محبوبہ کی کہانی بیان کرتا ہے جس سے وہ بہت محبت کرتا ہے لیکن اس کی محبت کی بنیاد تلخی' جرم اور اضطراب پر رکھی گئی ہے ہیرہ کانسٹنٹن Constantin کا کردار عجیب وغریب فلسفے کا بیان ہے جو محبت' شادی' سپردگی' اور ذمہ داری کے معانی میں تسلسل تلاش نہیں کر سکتا۔ چنانچہ وہ شرم اور دہشت کے جذبات میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ خود کرکیگار اور اس کی محبوبہ ریجنا کی کہانی بھی بے نتیجہ رہتی ہے۔ کرکیگار کا ایک کردار جوہنس Johannes جسے اس نے لڑکیوں کو گمراہ کرنے والا قرار دیا ہے اپنی ڈائری میں ایک مقام پر لکھتا ہے۔

" کہ قصہ ختم ہوا' اب میں اس کی شکل دیکھنا بھی گوارا نہیں کرتا۔ جب عورت اپنے آپ کو سپرد کر دیتی ہے تو وہ کمزور ہو جاتی ہے اور اپنا سب کچھ کھو بیٹھتی ہے۔ معصومیت مرد میں ایک منفی عمل ہے لیکن عورت کا تو جوہر ہی یہی ہے۔ اس کے لٹ جانے کے بعد وہ بے بس ہو جاتی ہے اور مقاومت نہیں کر سکتی۔ جب تک مقاومت باقی رہے محبت دلفریب رہتی ہے جب یہ ختم ہو جائے تو باقی کیا رہ گیا۔ کمزوری اور عادت"

سارتر لکھتا ہے۔

"The lover's freedom, in his very effort to make himself be loved as an object by the other, is alienated by slipping into the body- for- others; that is, it is brought into existence with a dimension of flight toward the other."98)

عاشق کی آزادی کیا ہے اپنے آپ کو دوسرے کی توجہ کے لئے ایک شے بنا کر پیش کرنا اور اس طرح اپنے وجود کی موجودگی کے امکان کی فراہمی۔"

انیس ناگی کے یہاں محبت کے امکانات سے زیادہ شخص کی موجودگی کا ہلکا سا تاثر اور اس کی افادیت یا عدم افادیت زیادہ ضروری قرار دی گئی ہے ان کی یہ نظم دیکھئے۔

"جاننے کی بھوک ہی
خوابوں' خیالوں میں اترتی عورتوں کے پاس مجھ کو لے گئی تھی
جسم ان کے دیکھ کر کچھ دیر میں مبہوت تھا
پر مطلبی وہ عورتیں تھیں
ملکیت کے مرض میں تھیں
جتلا
اور زندگی کے حسن سے محروم تھیں
عمر کی گلیوں میں آوارہ تھا میں

لاحاصلی کا یہ سفر یوں ہی کیا" (۹۹)

عورت سے ملاقات کا ایک اور منظر نامہ دیکھیے۔

اس کا جسم انار کا پھول بہار کا موسم
غیب سے ظاہر میں نہ آیا
میں مایوسی میں
خاموشی کی لغت میں جا نکلا
قمری اور شمسی لفظوں کو چھوتا چھاتا میں
ایک اور لغت کے در پہ جا نکلا
جس کا کوئی لفظ نہیں تھا
جس کا کوئی نام نہیں تھا
وہ مجھ کو تنہا دیکھ کے
جلدی سے کمرے سے باہر نکلی۔
اور جاتے جاتے اپنا دوپٹہ بھول گئی تھی" (۱۰۰)

انیس ناگی کے بستر پر اپنے برقعے اور دوپٹے بھول کر بھاگ جانے والی عورتیں بھی انھی کی طرح ناخوش، اخلاقیات کی جکڑ بندیوں میں پھنسی ہوئی، بے زار، مضطرب اور فیصلے کی گھڑی کو ٹالنے والی منافق عورتیں ہیں یا شاید سارتر کے ناول "Age of reason" کے اینٹی ہیرو میتھو Mathieu کی طرح انیس ناگی کا اینٹی ہیرو اپنی محبوباؤں سے لطف اندوز ہونا تو چاہتا ہے لیکن بچے کی ذمہ داری اٹھانا ذاتی تکلیف میں اضافے کا باعث سمجھتا ہے، انیس ناگی کی عورتوں میں مارسل Marclle جیسی خود سپردہ عورتیں موجود نہیں جو محبت

کے نام پر بے وقوف بننے کو تیار ہوں اور اپنی ظاہرا سماجی حیثیت اور شخصیت کو قمری اور شمسی لفظوں کی بھینٹ چڑھا دیں۔

میتھو اپنی چوری چھپے کی ملاقاتوں کا نتیجہ (۸) فکر ظاہر ہونے پر کہتا ہے کہ وہ مارسل کے بچے سے قبل از وقت ہی چھٹکارا چاہتا ہے تاکہ اس کی اپنی آزادی قائم رہ سکے' وہ اس خاندانی نظام سے خائف ہے جو مالکانہ حقوق اور ذمہ داری کی مصیبت لے کر آتا ہے۔ اسی لئے وہ مناکحت کے بندھن میں بندھنے کو تیار نہیں البتہ وہ اس آنے والے فرد واحد کو خیرباد کہہ کر فرانس کی آزادی کی جنگ لڑنے کو تیار ہے۔ کہانی کے اختتام پر ہم دیکھتے ہیں کہ میتھو اپنے آپ کو بتاتا ہے کہ وہ تمہارہ گیا ہے۔ اگرچہ وہ آزاد ہے۔ تمامتر آزادی کے باوجود میتھو بیک وقت فراریت کا بھی شکار ہے اور قوی نجات دہندہ بننے کے خواب کا متلاشی بھی' لیکن اس کے باوجود اس کی زندگی ایک مسلسل ناکامی ہے۔

"He yawned again as he repeated to himself: its true, its absolutely true: I have attained the age of reason"(102)

انیس ناگی پر منکشف ہوتا ہے :

شعور شودر ہے
اس کی باتوں میں تم نہ آنا
اس نے مجھ کو
تمام دنیا سے دور کر کے
اکیلے پن میں گرا دیا ہے

نجات پاؤں تو کس طرح میں؟
براہمنوں کی میں نسل سے ہوں
جو ٹھیک کہتے ہیں
شودروں سے گریز کرنے سے روح
دائم شفاف رہتی ہے" (۱۰۳)

انیس ناگی اپنے بارے میں لکھتے ہیں :
میں ایک شریف آدمی ہوں، میں نے معاشرتی ذمہ داریوں کو حتی الامکان نبھانے کی کوشش کی ہے۔ (۱۰۴)
تاہم ان معاشرتی ذمہ داریوں کو نبھانے میں اسی طرح کی لاتعلقی موجود ہے جو ہمیں کامیو Camus کے ناول اجنبی The outsider/The stranger میں دکھائی دیتی ہے۔

ناول کا ہیرو میرو سال Meursault اپنی ماں کی موت اور اپنی محبوبہ میری Marie سے قطع تعلق کے لمحات میں جس طرح شانت، لاتعلق اور بیگانہ رہتا ہے وہ بجائے خود ایک جذباتی سزا اور جرم ہے، وہ اسی اضطراب اور بے نتیجہ طریق زندگی کے باعث فلسفی بن جاتا ہے اور کائنات کو کامل لایقنیت قرار دے کر موت کو اس کی معراج قرار دے دیتا ہے۔

میورو سال کی محبت کا ایک منظر نامہ دیکھئے۔

"Marie came that evening and asked me if I'd marry her. I said I did n't minds if she

"Marie came that evening and asked me if I'd marry her. I said I did n't minds if she was keen on it, we'd get married I explained that it had no importance really, but if it would give her pleasure, we could get married right way. I pointed out that anyhow, the suggestion came from her, as for me, I'd merely said "yes" then she remarked that marriage was a serious matter. To which I answered, "No" She kept silent after that, staring at me in a curious way. Then she wondered whether she loved me or not. I, of course, could'nt enlighten her on that.

اس شام "میری" میرے پاس آئی اور پوچھنے لگی کیا تم مجھ سے شادی کرو گے؟ میں نے کہا اگر اسے اس کا شوق ہے تو مجھے کوئی اعتراض نہیں ہم شادی کرلیں گے' میں نے وضاحت کرتے ہوئے کہا کہ یہ سب کچھ درحقیقت اہم نہیں لیکن اگر اس فعل سے اسے خوشی ہوگی تو ہم صحیح طریقے سے مناکحت میں بندھ جائیں

گے' میں نے یہ بھی کہا کہ یہ تجویز چونکہ اس کی طرف سے آئی ہے۔ اس واسطے میرے پاس رضامندی کے علاوہ کوئی چارہ نہیں۔ تب اس نے کہا شادی ایک سنجیدہ معاملہ ہوتی ہے۔ جس کے جواب میں میں نے کہا "نہیں" وہ اس کے بعد مجھے حیرت سے دیکھتے ہوئے چپ ہو گئی تب وہ تذبذب کا شکار ہوئی کہ آیا وہ مجھ سے محبت میں مبتلا تھی یا نہیں' بے شک میں اسے اس معاملے میں کوئی مدد نہیں دے سکتا تھا۔

اسی طرح کامیو اپنی تحریر "The Myth of sisyphus" سیسفس کی کہانی میں کہتا ہے۔

"But of love I know only that mixture of desire, affection, and intelligence that binds me to this or that creature." that compound is not the same for another person. I do not have right to cover all these experiences with the same name" (104)

"لیکن محبت کے بارے میں صرف میں یہ جانتا ہوں کہ یہ خواہش' توجہ اور ذہانت کا وہ امتزاج ہے جو مجھے دوسری مخلوق سے باندھ دیتا ہے۔ ضروری نہیں کہ دوسرا شخص بھی انہی جذبات کا مالک ہو' اس لئے میرے پاس اس بات کا کوئی حق نہیں کہ میں ان تمام

تجربات کو اسی ایک نام سے موسوم کروں۔"

انیس ناگی ان دونوں کتابوں سے متعارف ہیں کامیو کے ناول طاؤن The Plague طاعون کے علاوہ انہوں نے سیسفس کی کہانی کا بھی اردو ترجمہ کیا ہے' دوسری جانب وہ The Stranger اجنبی پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"اجنبیت اور لایعنیت میں ایک طرح کا علت و معلول کا تعلق ہے۔ اجنبیت لایعنیت کو جنم دیتی ہے' اجنبیت اپنے آپ سے یا اپنی خارجی دنیا سے ہم آہنگی کے فقدان سے پیدا ہوتی ہے یہ غیر مربوط ہونے کا احساس ہے" (۱۰۷)

تاہم انیس ناگی "اجنبی" کے انجام سے متفق نہیں بلکہ وہ سیسفس بادشاہ کی مشقت اور لاحاصلی کو پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتے ہیں کیونکہ ہر روز اپنے حصے کے پتھر کو اٹھا کر پہاڑ کی چوٹی پر پہنچنے والا اور بھاری پتھر کو لڑکھڑانے والا سیسفس اپنی لایعنیت کا وقوف رکھتا ہے

ادھورے میرے کام یونہی رہیں گے
انہیں کس طرح میں مکمل کروں گا
کہ سب کام صبح کو میز کرسی پلنگ پر
یا بک شیلف کی اوٹ میں
منتشر ذہن کی سیڑھیوں پر
لڑھکتی ہوئی سوچ کے ساتھ چھوڑ کر
اپنے دفتر گیا تھا
کہ میں وقت ملتے ہی

سب کام اپنے مکمل کروں گا
مگر جب شام کو میں آیا
تو ناکام دن کی تھکن ساتھ لایا۔ (۱۰۸)

آیئے اب ہم دیکھتے ہیں کہ انیس ناگی نے اپنی نظموں کی اشاعت کے جواز میں کیا لکھا ہے اور درجہ بدرجہ ان کی نظمیں کیا کہتی ہیں۔

"میری تخلیقی شخصیت میرے ذہن اور میرے ماحول کے درمیان ایک مقام اتصال ہے۔ اس لئے ناگزیر طور پر میں شاعری کو اپنے ماحول اور اپنی شخصی تاریخ سے ہرگز جدا نہیں سمجھتا۔ میری شخصی تاریخ میں میرا تاریخی ماضی اور میرے طبقے کے جملہ رجحانات برابر کے شامل ہیں اس طرح شاعری ارتفاع ذات کے دائرے سے نکل کر ایک عظیم تر فضیلت کا حصہ بن جاتی ہے" (۱۰۹)

انیس ناگی نے یہ بھی لکھا ہے کہ بے شک شاعر ہونا ایک صورت حال کا انتخاب ہے، یہ انتخاب ہی شاعر کی جملہ شعری کارکردگی کا معیار فراہم کرتا ہے کہ اس کے رقبہ واردات میں سے کیا کچھ باہر آرہا ہے۔

"زرد آسمان میرے نزدیک "ایسے" انسان کی کائنات کے مختلف عناصر سے مرتب ہوتا ہے جس کے بارے میں "کوربے" لکھتا ہے کہ اس کا ذائقہ بے ذائقہ ہونے میں تھا۔" (۱۰۹)

انیس ناگی کا خیال ہے "کوربے" چونکہ جسمانی طور پر معذور اور عشق کے مرض میں مبتلا تھا اس لئے وہ ذاتی محرومیوں کے باعث اپنی بے "ذائقگی" میں لطف محسوس کرتا تھا۔ انیس ناگی نے اپنے اس پس لفظ میں کائناتی سطح پر "لینے والے" اور "دینے والے"

انسانوں کے حوالے سے موجودہ تہذیب اور موجودہ نظام کے بٹوارے کا بھی تذکرہ کیا ہے جس کی رسی کی ایک طرف لینے والا اور دوسری طرف دینے والا موجود ہیں' یہ رسی تشنج اور اکساہٹ کی رسی ہے جس میں وصول کرنے والے کی صورت حال زیادہ تشویشناک ہے کیونکہ یہ تشویشناک صورت اس کی اپنی پیدا کردہ نہیں بلکہ دینے والے کی پیدا کردہ ہے جو ذرائع حیات کو کامل طور پر اپنی تحویل میں رکھتا ہے' یہ ایک دائمی صورت حال ہے جس کا ذائقہ اس کے بے ذائقہ ہونے میں ہے' اس بے ذائقگی کا وہ لحہ اور بھی تکلیف دہ ہے جب لینے والا' عرف عام میں "مفعول" تصادم کی سطح پر آلہ کار بننے کی بجائے اپنی آزادی کا اعلان کرتا ہے اور تمدنی صورت حال کو مزید تشویشناک بنا دیتا ہے۔

اب ہم انیس ناگی کے الفاظ کے تناظر میں ان کے پہلے پانچ مجموعوں بشارت کی رات' غیر مطبوعہ نظمیں' نوحے' زرد آسمان' روشنیاں کی مجموعی فکری سطح کو دیکھنے اور سمجھنے کی کوشش کریں گے۔

"بشارت کی رات" انیس ناگی کا پہلا مجموعہ کلام ہے جس میں کل چونتیس نظمیں ہیں اور یہ نظمیں ۱۹۵۹ء------ ۱۹۶۶ء کے زمانے میں لکھی گئی ہیں انیس ناگی نے لکھا ہے کہ ان پانچ مجموعوں کی یکجا اشاعت کی غایت زندگی کے چھوٹے چھوٹے تجربوں کو ایک بڑے تجربے میں مربوط کرنے کی کوشش ہے اور ان نظموں کے حوالے سے انہوں نے اپنی دنیا اور اپنا معروض Object دریافت کیا ہے۔ ذرا اس زندگی کا منظر نامہ دیکھئے۔

"یہاں زندگی گھومتا گیند ہے
ایک آسیب ہے۔" (۱۱۰)

اس لئے بدن میں اترتی خاموشی بھوت بن کر گھروں کے کواڑوں کے پیچھے ڈراتی

ہے' زمین تپی ہوئی ہے آسماں زرد اور گرم ہے' شاعر جس شہر میں رہتا ہے وہاں قدم قدم پر بینکوں کو جانے والے کلرکوں کی عجلت ہے' بسوں کا دھواں ہے' انسانوں کی قطاریں ہیں' دماغوں میں رعشہ ہے' بڑھاپا جنون' بے دلی اور رشتوں کی نفرت ہے۔" (۱۱۱)

اس بے دلی نے زندگی کو گندگی اور زوال کی وہ کچی مٹی عطا کی ہے جہاں زمانے کی زرد کونپل پروان چڑھتی ہے' شاعر شکستگی اور ہزیمت کے عکس سے خوفزدہ ہے۔ دماغ اجڑے ہوئے ہیں۔ بدن پریشان ہیں (۱۱۲) اور اگر کوئی شے نمو پذیر ہے تو وہ صرف زوال کی گندگی' شاعر اپنی ہذیانی کیفیتوں اور شرمساری کے ہمراہ اپنے دوسرے شاعرانہ مرحلے میں قدم رکھتا ہے' جس کا نام اس نے "غیر ممنوعہ نظمیں" رکھا ہے ان نظموں کا دورانیہ ۱۹۶۷ء تا ۱۹۷۴ء ہے۔

اس زمانے تک ان کی نظموں کا ہیرو اپنی نظر میں اپنا درجہ متعین کر چکا ہے۔ اسے یہ آگاہی بھی حاصل ہو چکی ہے کہ لوگ بہت حد تک اس سے خوفزدہ ہیں اور اس کی حیثیت ایک مجرم کی سی ہے اس کا جرم یہ ہے۔

اک شام معذرت جب میں نے یہ کی کہ میں اب
کنگال زندگی کی پیہم ہزیمتوں سے اس طور منتشر ہوں
ترتیب کی بحالی امکان میں نہیں ہے
اس صفحہ جہد پر میرا نفس ہی ایسی اک واردات جس میں
انجام کی خبر کا کوئی پتہ نہیں ہے
جہد للبقا میں میرے اعصاب کی طنابیں اس طور کسی گئی ہیں
جن کو مرے زمانے کی بے بہار آنکھیں ہر روز دیکھتی ہیں" (۱۱۳)

اعتراف انتشار و اضطراب کے باعث شاعر کی حیثیت ایک مفرور کی سی ہے جسے مجرم کے طور پر شہر بھر میں تلاش کیا جارہا ہے (۱۱۴)

"غیر ممنوعہ نظموں" کے ص ۹۸ اور ص ۹۹ کو شاعر خالی چھوڑ دیتا ہے اس خالی صفحے میں لکھا ہے ایک عدم پیروی مقدمہ۔

لامعنیت کے باعث شاعرانہ صورت حال زمانے کے جبر سے دن بدن ابتر ہوتی جاتی ہے۔ اور انیس ناگی جبر کی حقیقتوں کی بے کار شکلیں دیکھتے ہوئے انتشار ذات اور بے ثباتی حیات پر غور و فکر کرتے ہیں۔ حواس باختگی ان کا مقدر ہے (۱۱۵) شاعر اعتراف کرتا ہے کہ شش جہات اور کائنات کا علوم' جذبات اور جنوں کے سلسلے اس کے لئے چراغ راہ زندگی نہیں بن سکتے (۱۱۶) ان بے یقین لمحوں میں وہ خودکشی کا فیصلہ کرتا ہے (۱۱۷) مایوسی کے لمحات اسے خدا کی تلاش میں بھٹکاتے ہیں' حقیقتوں کے ظہور کا دن اسے کہیں نظر آتا چنانچہ وہ نجات کی آرزو کا دروازہ بند کر کے زمین کی پھیلی ہوئی مشقتوں میں بکھر جاتا ہے (۱۱۸) اس طرح اعتقادات کا آسمان اس کے سر سے کھسک جاتا ہے' شاید ابھی مایوسی بے دلی نہیں بنی' اس لئے خدا اور بندے کے درمیان ایک مکالمہ ابھرتا ہے۔

گنبد بے در کا در کھولو کہ پھر

عصر رواں کے ڈوبتے دن میں زوال آدمی کا پھیلتا سایہ زمین و آسماں کے درمیان دیکھیں" (۱۱۹)

کافکا Kafka لکھتا ہے

"The crows maintain that a single crow could destroy the heavens, doubtless that is so, but it proves nothing against heavens,

for the heaven's signify simply: The
impossibility of crows (120)

انیس ناگی بھی گنبد بے در پہ دستک دے دے کے تھک جاتے ہیں' یوں شاعر کے دن رات آگہی کی عذاب کا بیان بن جاتے ہیں۔

میں آشنا ہوں نشیب شب کا
میں راز داں ہوں فراز دن کا
میں جانتا ہوں کہ آگہی کا عذاب کیا
یہ آج نصف انہار پر جو ہوا رکی ہے
گلی گلی میں نقیب حرمان و بے دلی ہے
کہ آزمائش کے دن ابھی ہیں
بدن تشنج کے روگ سے کب نجات پائے گا" (۱۲۱)

یہ تشنج کم نہیں ہوتا' دکھ کے برزخ کا تعطل بھی بدن شکن ہے اور آدمی کی نجات کہیں نہیں
نجات ہستی کا گرم روزن کھلا نہیں ہے (۱۲۲)

شاعر کے دن منحوس صداؤں کے بھرپور سمندر ہیں اور راتیں صداؤں سے بنتی شکلوں کا مسکن (۱۲۳) وہ کمزور ہے اس کا کائناتی ربط ٹوٹا ہوا ہے' بھنبھناتی ہوئی آوازوں کے الجھاؤ میں زندگی اس کے لئے ایک دوران سر ہے (۱۲۴) وہ آتے جاتے لوگوں کو اجنبیوں'

آشناؤں کو بھولی ہوئی محبوباؤں اور ان خوبصورت عورتوں کو یاد کرتا ہے جن سے وہ کبھی ہم کلام نہیں ہوا ہے' اسے اندازہ ہوتا ہے کہ اس کی صورت حال تشویشناک حد تک عالمگیر ہوتی جا رہی ہے' اس کی آواز آہستہ آہستہ دلگیر ہو کر نوحے میں ڈھلنے لگتی ہے۔ اچانک اسے خیال آتا ہے کہ وہ ایک ضعیف العقل کی طرح قہوے خانے کی کھڑکی کے پاس بیٹھا' خود کلامی میں مصروف پچیس سالوں سے ایک لمبی سوچ میں گم ہے (۲۵)

جذباتی شکست انیس ناگی کی تیسری شعری کتاب کو جنم دیتی ہے جس کا نام نوحے رکھا گیا۔ ہے یہ نظمیں ۱۹۷۵ء تا ۱۹۷۶ء کے دورانیے میں پھیلی ہوئی ہیں۔

"نوحے" کی وجہ تسمیہ کے بارے میں انیس ناگی نے لکھا ہے۔

"میں نے ان منظومات کے لئے نوحے کا لفظ استعمال کیا ہے' یہ بسیط کائناتی مظاہر اور عظیم تہذیبی یورش میں اور مستبد نظاموں میں راستی کے راستے پر چلنے والے شعور کے نوحے ہیں' یہ نوحے الجزائر میں لکھے گئے ہوں یا اپنی سرزمین پر' ان تمام میں ایک سے جہان معنی کی تلاش کی گئی ہے' تیسری دنیا کی بے ربط زندگی میں لفظ معنی کا رشتہ ٹوٹ چکا ہے آدمی کا آدمی سے ربط کٹ چکا ہے۔ اس اعتبار سے یہ نوحے انفرادی ہوتے ہوئے بھی تہذیبی نوحے بن جاتے ہیں"۔

ایک انفرادی نوحے میں انیس ناگی کے اپنے ہی دو روپ اس طرح ظاہر ہوتے ہیں۔

وہ میری قید میں ہے
اور میں اس کی دیواروں میں
وہ مجھ کو ساری رات سزائیں دیتا ہے
میں اس کو ساری رات جگاتا ہوں
کبھی وہ خواہش بن کر دل کا ڈھول بجاتا ہے

کبھی وہ موت سے ڈر کر مجھے سزائیں دیتا ہے
اور ساری رات وہ میری سوچ کا رستہ روکتا ہے
پھر میں سوچ جلتی سرخ خمار آلود آنکھیں لے کر
صبح سویرے اس کو اپنے بستر پر لے آتا ہوں" (۱۲۶)

تیسرے نوحے کی یہ لائنیں دیکھئے۔

جہاں سب ذائقوں میں تلخی کا ذائقہ ہے
جہاں نیند میں بے خوابی کا سفر ہے اور جہاں بے خوابی کی دھڑکنوں میں ایک عظیم اجتماعی احساس ہزیمت اور نایافتگی کا پیہم سلگتا ہوا جہنم خوشیوں کی تہہ میں سیال تیار کر رہا ہے" (۱۲۷)

ان نوحوں میں انیس ناگی اپنی شناخت چاہتے ہیں' نئے امکانات کی دریافت اور نئے سماوات کی تلاش میں مصروف ہوتے ہیں' اپنے مسلسل اضطراب سے نئی انسانی معنویت ترتیب دینے کے خواہش مند ہیں (۱۲۸) لیکن زمین اپنے مدار پر ایک ست لٹو کی طرح ہچکولے کھا رہی ہے اور ایک ہجوم ناپرساں تالیاں بجاتا ہوا' قہقہوں سے لیس شاعر کو ہزیمت آشنا کرنے پر مامور ہے (۱۲۹)

اب ذرا ۱۹۷۷ء سے ۱۹۷۹ء کی نظموں کے موضوعات دیکھئے۔
یہاں وجود کے سرسراتے' کھوکھلے موسموں کے صدمات ہیں۔ (۱۳۰) لاپرواہ ہجوم کا خاکستری شہر ہے۔ (۱۳۱) حیات کی مہمل جستجو ہے (۱۳۲) خلا کے سوا کچھ نظر نہیں آتا (۱۳۳) موت نظام بدن میں علالت کی سازش جگائے ہوئے وہ ذہن میں اختلال اور احساس

میں پژمردگی کا جال بچھاتی ہے۔ (۱۳۴)

شاعر اپنے شاعرانہ "زرد آسمان" تک پہنچتے پہنچتے سوچتا ہے کہ وہ عجیب سے مقدر کا اسیر ہے جس سے اسے نجات نہیں مل سکتی' وہ تیرگی کا تضاد ہے اور ایک مجرم ضمیر کا خواب ہے (۱۳۵)

یہ سوچ کر شاعر کے اندر شدید تنہائی اور اپنے کھو جانے کا احساس بیدار ہو جاتا ہے اور وہ اس قسم کی نظمیں ترتیب دیتا ہے۔

رفتہ رفتہ سب آوازیں
جو دل کے اندر ہیں
اور باہر
اک ایسے سکتے میں کھو جائیں گی
جس کا مفہوم ابھی تک
کسی اشاعت گھر کے حرفوں میں ڈھلا نہیں ہے
آثار قدیمہ کے ماہر
مدفون پرانے شہر اندر باہر سے کھود چکے ہیں
لیکن اس کا مفہوم ابھی تک
کسی عمارت کی شاہ گردش کی محرابوں میں
اور کسی چار آئینے کے رستے گھاؤ میں ملا نہیں ہے
جس کو اس کا راز ملے وہ حسب ذیل پتے پر پہنچا دے
انیس ناگی' لاہور" (۱۳۶)

ٹی ایس ایلیٹ کی ایک نظم دیکھیے۔

My nerves are bad to-night. Yes bad

Stay with me.

Speak to me why do you never Speak? Speak.

What are you thinking of? What thinking? What?

I never know what you are thinking. Think

I think we are in rats alley

where the dead men lost their bones.

What is that noise?'

The wind under the door.

What is that noise now? What is the wind

doing?'

Nothing again nothing

Do

You know nothing? Do you see nothing?'

Do you remember

'Nothing?'

I remember

Nothing? .

I remember those are pearls that were his eyes

Are you alive, or not? Is there nothing in your head?

But

It's so elegant that shakespearian Rag.... (tempest) what shall I do now? what shall I do? I shall rush out as I am, and walk the street with my hair down, So what shell we do tomarrow? what shell we ever do? Te hot water at ten. And if it rains, a closed car at four. And we shall play a game of chess, pressing lidless eyes and waiting for a knock upon the door. (137)

ایلیٹ کی بے معنویت کی طرح انیس ناگی کے دروازے پر خوف آن کر رکا ہے۔ مہمان کی صورت' بغیر کسی دعوت نامے کے اور سردیوں کی شام کا کہرا شاعر کی ریڑھ کی ہڈی سے لپٹ گیا ہے۔

خوف کی حالت میں شاعر کا وجود اس کے لئے ایک ناقص علامت بن جاتا ہے جس

کے سراغ میں اس نے دن اور رات کے دو الگ علیحدہ سفر کیے ہیں (۱۳۹)

اس ناقص وجود کے ساتھ شاعر کا اگلا مجموعہ کلام وقت اور اس کی کمیت' انسانی زندگی کی بے ثباتی اور خواہش کی ناآسودگی کے سوال کو اس طرح ظاہر کرتا ہے۔

میں سرد مہر زندگی سے کیا طلب کروں
طلب تو ایک بحر ہے
یہ زندگی تو سانس کی لپکتی ایک لہر ہے
کہ وقت کا سفر گھڑی میں قید ہے
دوسروں کی خواہشوں کے گرد رقص کرتی زندگی نے
کیا دیا مجھے
طرح طرح کے عارضے' دماغ کا بخار
اختلال اور حواس کے شعور کا ملال (۱۴۰)

اختلال اور خواہشاتی ناآسودگی ابہام اور خاموشی کی گدلی رات میں ڈھلتی ہے (۱۴۱) شہر پرندوں سے خالی ہو جاتے ہیں۔ شاعر اپنے وجود' اپنے نام' اپنی شناخت کے لئے صدا لگاتا ہے۔ لیکن سماجی بندشوں سے نجات کوئی معمولی کام نہیں۔

میرا نام غلام تمہارا
میرا نام مجھے لوٹا دو
جس رنگ میں چاہا
میرا نام پکارا تم نے

کبھی رعب میں آکر چیخے
کبھی ہونٹ دبا کر بولے
جب جی چاہا
کوئی جرم لگا کر
میرا نام گھسیٹا تم نے
اب وقت عدالت میں ہے
اور ہم دونوں ایک کٹہرے میں ہیں
دکھ درد گواہی میری
میری ذات اندھیرے میں ہے
میرا نام مجھے لوٹا دو" (۱۴۲)

نام پکارے جانے کی غلامانہ جبریت کا تجربہ شاید اس سے پہلے ہماری اردو شاعری کا حصہ نہیں بنا' یہ نیم ترقی یافتہ لوگوں کے معروف شہروں کی زندگی کے بے نام لوگوں کی اذیت ہے جہاں دفتری معاملات میں انسان صرف کل پرزہ ہے' جب لوگ اسے براہ راست. کوئی اذیت نہیں پہنچا سکتے تو اس کے نام کو توڑ موڑ کر دہراتے ہیں۔ ابلاغ عامہ کے لئے یہ نام وجہ شہرت بھی اور وجہ رسوائی بھی۔ بڑی کرسیوں کے لئے یہ نام باعث تفاخر بھی ہے اور باعث ندامت بھی سیاسی کرم فرماؤں کے لئے یہ نام ہزیمت کا سندیسہ بھی ہے اور بال ہما بھی۔

شاعر انیس ناگی نے جگہ جگہ اپنے دھتکارے جانے کے جس دکھ کو بیان کیا ہے اس میں اس نام کی مختلف لب ولہجے میں ادائیگی کا دکھ بھی شامل ہے۔ وہ اس دکھ کو اپنے

دامن میں سمیٹے ہوئے اپنے شہر میں ایک اجنبی کی سی زندگی گزارتا ہے۔

اس نے اجنبی کی زندگی بسر کی تھی
جس کے لئے ہر طرح کی محبت
ہر طرح کی رفاقت
ہمیشہ کے لئے ممنوع رہی تھی
اور جو تاروں بھرے آسمان کے نیچے
دہکتی ہوئی سنسان فٹ پاتھوں پر ڈگمگاتا ہوا
زندگی کی تلاش میں
کسی امید، کسی فریاد کے بغیر
اپنے عہد کی ہولناکی کا نظارا کرتا ہوا
رات کے سائبان سے نکل کر
صبح کی دہلیز پر سر رکھ کر سو جاتا تھا (۱۴۳)

انیس ناگی نے ۱۹۸۷ء میں منصۂ شہود پر آنے والے مجموعے کا نام بے خوابی کی نظمیں رکھا ہے۔
ان نظموں کا شاعر پہلے سے بھی زیادہ افسردہ، خالی دماغ اور کائناتی لغویت کا علمبردار ہے۔

سوچنے کے لئے کچھ نہیں ہے

بہت دیر سے گنبد ذہن میں
ذات کی الجھنیں
خوف ہی خوف
نامہرباں عہد کی سختیوں کا لرزتا ہوا شور
جس میں مزہ زندگی کا
لڑھکتے ہوئے گیند کی طرح اس شہر کی سیڑھیوں پر کہیں کھو گیا ہے" (۱۴۵)

اس بے مزہ، بے ثبات، بے مراد، بے اعتبار، زندگی میں لفظ نئی زوجیت سے منحرف ہو چکے ہیں، دیمک نے حرف ابجد چاٹ لئے ہیں۔ زبان کا درخت سوکھ گیا ہے اور لسانی بحران انسانی حادثے میں بدل چکا ہے (۱۴۶)

شاعر کو محسوس ہوتا ہے کہ اس کا پھڑپھڑاتا ہوا وجود (۱۴۷) منافرت کے حصار میں ہے، اس کے خوابوں کی جیب کٹ چکی ہے (۱۴۸) اور وہ بے کیف مہمل زندگی کی سیڑھیوں پر کھڑا ہے (۱۴۹)

وہ اس گنبد نیلگوں میں انسانی نوحے سنتا ہے اور روزمرہ کی زندگی میں ایک کٹھ پتلی کی طرح معمول کے طور کرتے ہوئے اپنے آپ کو وقت کا ایک تقاضا سمجھتا ہے۔ وہ اس بے وجاہت زندگی سے چھٹکارا چاہتا ہے جہاں انسان فائلوں میں دبکا پڑا ہے، زندگی کی گرم کافی کا پیالہ خالی ہو چکا ہے اور انقلاب کے خواب ابتلاء کا ذائقہ چکھ رہے ہیں" (۱۵۰) اس کرب وبلا کے شہر میں بے حسی کا روگ پھیلا ہے اور آنکھیں بے خواب ہو گئی ہیں۔ (۱۵۱)

بے خوابی کی نظموں کے پس حرف انیس ناگی کے ایک ناقد اصغر ندیم سید نے لکھا ہے۔

"انیس ناگی کا ذہنی رویہ انفرادیت پسندی کا ہے وہ معاشرتی رویوں سے عدم اطمینان

محسوس کرتے ہوئے شدید ردعمل کا اظہار کرتے ہیں اور میکانکی وکاروباری منطق سے مزاحمت کرتے ہیں۔ وہ اجتماعی زندگی میں فرد کو تنہا محسوس کرتے ہیں کیونکہ خارجی ماحول میں جو اجنبیت اور غیریت موجود ہے وہ شاعر کو اپنے ساتھ خود کلامی پر مجبور کرتی ہے' وہ اپنے آپ میں پناہ لیتا ہے' اس کے آس پاس جو ماحول ہے۔ وہ صحت مند رویوں کے ساتھ زندہ رہنے کے قابل نہیں" (۱۵۲)

اس مزاحمت میں انیس ناگی کے لہجے میں بے اطمینانی اضطراب اور بے معنی صورت حال میں معلق ہونے کا احساس بیدار ہوتا ہے' بے جان Still زندگی کا یہ منظر نامہ ایسے ہی جیسے انسان اپنی ہی زندگی کی فائل پر ایک پیپر ویٹ کی طرح پڑا پڑا ٹوٹ پھوٹ جائے۔

ناگی کی نظموں کا دفتری ملازم سرکاری افسر بوریت کی کامل مثال ہے۔ جو ایک ہڈی کی طرح بے حس ہو چکا ہے۔ جسے اپنی اور اپنے تصور کی تلاش میں نکلنے کے لئے ایک تعطیل درکار ہے ایک ایسی تعطیل جو حرف و معنی میں ربط پیدا کر سکے ظاہر ہے۔ معمول کی زندگی کی بے خوابیاں اس تعطیل کے حق میں نہیں چنانچہ شاعر کی زندگی بیابانی کا ایک ایسا دن بن جاتی ہے جس کی وسعت کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا۔

ایک قید خانہ گھر میں ہے
اور دوسرا دفتر میں ہے
جو درمیاں میں راستہ ہے
اس پر لوگوں کا ہجوم اتنا
رک گیا ہے

الاماں
جائیں کدھر" (۱۵۳)
ان قید خانوں میں ہمارے ہیرو کی جائے پناہ صرف کتابیں تھیں۔ لیکن بیابانی کے موسم میں یہ بھی ذائقہ کھو چکی ہیں
کتابیں جو پڑھی تھیں۔
بے مزہ تھیں
بے روزگاروں میں سے ہوں
ناصحوں سے تنگ ہوں
اب جو مجھے
اخلاق کی تلقین کرنے آئے گا
میں سر اسی کا مونڈھ کر
روپوش ہو جاؤں گا" (۱۵۴)

شاعر اس شہر خرابی سے لاحول پڑھتے ہوئے گذرتا ہے جہاں چوریاں ہیں، ہڑتالیں ہیں، محلاتی سازشیں ہیں، نیند میں جاننے کی بداعتمادی ہے، چرس کی مہک ہے، لیڈروں کی گالیاں ہیں، جسمانی سہلاہٹ ہے، شہوت آمیز قہقہے ہیں، عیار منصوبہ بندی ہے اور اضطراب دائمی کا زلزلہ جسم وجاں میں کپکپی پیدا کرتا ہے۔ ہر راستہ ایک ہی راستہ ہے اس شہر سنگدل کے لوگ آدمی کی الوہیت سے بدگماں ہیں، وہ بھوک کے عذاب میں اتنے گر چکے کہ دوسروں کے رزق کی رکابی الٹ دیتے ہیں۔ اس ناقابل فہم سفاکی کے گناہ سے بچنے کے لئے تصوف کی کتابوں کا مطالعہ کیا جاتا ہے تاکہ نفس امارہ کی صحت برقرار رکھی جا

سکے۔

ایسی شدید صورت حال میں خوف کا آسیب ہر ذی روح کو گھیر لیتا ہے لیکن۔

چاروں طرف تھی تیرگی
جس میں چھپی تھیں صورتیں
رنگ برنگی صورتیں
ان میں کہیں تھی موت بھی
ایک لرزتی صوت بھی
جس کا کوئی نہ حرف تھا
ایسے سمے میں ذات بھی
اپنے لئے بھی خوف تھا
میرا عقیدہ نرم تھا
کس سے مدد میں مانگتا
کس کی طرف میں دیکھتا
اوس پڑوس کے لوگ بھی
بتی بجھا کے سو گئے۔" (۱۵۵)

عقیدے کی نرمی کے باعث لاحاصلی کا پھول کھل کر انتظار دائمی میں بدل جاتا ہے۔ پیہم تضاد زندگی کو ایک روگ بنا دیتا ہے۔ دوسرے درجے کا شہری اپنی انا کی قربانی دیتے ہوئے زندگی کے دن کاٹتا ہے اور سوچتا ہے۔

میری کتاب شعر میں دکھ درد ہے
اپنی ہزیمت اور شکستہ آرزو کا
خوف ہے
رنجش'' رقابت' بے دلی کے عارضے (۱۵۶)
میں زندگی کی تماشا گاہ میں' ایک سایہ ہوں اور میرا کوئی نام نہیں ہے۔ (۱۵۷)
چنانچہ بے خیالی (۱۵۸) کے زمانے شروع ہوتے ہیں۔

انیس ناگی اپنے اس مجموعے میں شامل نثری نظموں کو ایک طرح کا جہاد قرار دیتے ہیں' ان کا خیال ہے کہ ہر نظم بذات خود ایک وضاحت ہوتی ہے اور اپنے سیاق و سباق کے جسم سے جنم لیتی ہے۔ اس کتاب میں ایک پریشان حال آدمی نئے ورلڈ آرڈر کی بے رنگ چھٹی کی موصولی کے بعد مزید مصیبت میں مبتلا ہے۔

کبھی رات کا خوف ہے
کبھی ذات کا خوف ہے
کبھی خوف کا خوف ہے (۱۵۹)

وہ خوف کی حکمرانی کے باعث وقت کی گھڑی باندھنا چھوڑ دیتے ہیں' ان کا جرم اتنا ہے کہ وہ سوچتے ہیں اس سوچ کے باعث وہ اسیری کے عذاب سہتے ہیں اور ایک بے اجر زندگی گذارتے ہیں'' گمنامی کی خواہش نام کی مصیبت سے چھٹکارا چاہتی ہے۔

نہ سائلوں میں نہ عاشقوں میں نہ حکمرانوں میں نام میرا

کسی رجسٹر میں تم کو شاید نہیں ملے گا
کہ نام کی یہ لوح چند حرفوں کا طوق جس کا
نہ کوئی معنی نہ کوئی رشتہ ہے زندگی سے
عجیب الجھن ہے
کہ لوگ مجھ کو اسی حوالے سے جانتے ہیں
مجھے بلانا ہو نام میرا پکارتے ہیں
میں نام زد ہوں
اسی لئے میں گھرا ہوا ہوں" (۱۴۰)
انیس ناگی کو خیال گزرتا ہے:
میں آدمی کا ظاہری سا روپ ہوں (۱۴۱)

اس دفتری نظام میں قلم کی طرح گھسے ہوئے شخص کے لئے رات سیاہ دوات ہے اور وہ سفید دن کے تمیں کاغذوں پر اپنی بے ثمری کی کہانی لکھتا ہے (۱۴۲) زندگی ایک مسلسل بوریت اور بدمزگی کا بیان ہے۔

انیس ناگی کی نئی کتاب "صداؤں کا جہاں" (۱۶۳) ۱۹۹۵ء میں منصۂ شہود پر آئی ہے، جس میں بے شکل آوازوں کے جنگل میں گم شدہ سماعت بھی ایک المیہ ہے، آوازوں کی اس دنیا میں اپنے آپ سے ملاقات کا وقت میسر نہیں آتا، اپنی آواز سنائی نہیں دیتی، اپنا چہرہ دکھائی نہیں دیتا۔ انیس ناگی اس کتاب کی نظموں میں اپنی مزید بدمزگیوں کا انکشاف اس طرح کرتے ہیں۔

بھٹکا ہوا ہوں آدمی
میں زندگی کی راہ میں
شک وشبے میں دن کٹے ہیں
رات بھی
مجھ کو سکوں کی جستجو ہے
عافیت کی آرزو ہے
کب تک رہوں گا
اضطراب دائی کی قید میں؟" (۱۶۴)

شاعر کے لئے عورت اور الفاظ سب اپنی کشش کھو چکے ہیں' ابہام ایک دائمی عارضہ بن گیا ہے' اس ابہام سے ایک خالصتاً نفسیاتی لظم جنم لیتی ہے' وہ جانتا ہے جسم اور روح کے رابطے منقطع ہو جائیں تو صرف دیوانگی بچتی ہے' ایسی دیوانگی جس کا کوئی علاج نہیں۔

ہر ناف میں گنجل پڑی ہے
کس طرح؟
ہر گھر مریضوں سے بھرا' آثار مشکل'
کچھ پتہ چلتا نہیں
بے خوابیاں ہیں
رزق کی ٹوٹی رکابی سامنے ہے
مگر اشتہا معدوم ہے۔
خوابوں میں خیالوں میں بلاوا عورتوں کا ہے
مگر اشتہا معدوم ہے

تشویش اتنی ہے
زیادہ
شہر کا ناظم پریشاں بلدیہ کے صحن میں
چپ چاپ سر تھامے ہوئے ہے
اور پاس اس کے سرخ بتی جیپ کی اب گھومتی ہے
ہر طرف" (۱۶۵)

سرد مہر، بے پرواہ حاکمیت کے زمانوں میں خاموش سڑک پر جوتے پہن کر چلتی ہے اور پریشان دنوں میں سرخ بتی والی جیپیں، ایمرجنسی کی مایوس کن فضا میں انیس ناگی ایک بار پھر بے نامی کی زندگی بسر کرنے کے خواہش مند نظر آتے ہیں۔

جی چاہتا ہے
اجنبی بے نام لوگوں میں رہوں
میں کون ہوں؟
کس زمیں سے بھاگ کر آیا ہوں؟
اور میں کس زباں میں بات کرتا ہوں
کسی کو یہ پتہ بالکل نہ ہو
میں ایک ٹورسٹ کی طرح تھیلا اٹھا کر
قہوہ خانوں، قحبہ خانوں اور پبوں میں
گھومتا پھرتا رہوں

ان بے محابا عورتوں کے ساتھ
میں اک بے زبانی کی زباں میں بات کرتا رات سے آگے نکل جاؤں (١٦٦)

جسم وجاں کے خلاء میں اسیر' روزگار سے تنگ' وقت سے ڈرا ہوا شاعر جس کا گھر ایک اجڑی ہوئی سلطنت ہے' اپنی ذات کے قلعے میں بند ہے اور باہر سے کمک دینے والا کوئی نہیں (١٦٧) بشارتیں گم گئی ہیں' دعا بد دعا بن گئی ہے' خوف ذات کو منہدم کر رہا ہے۔ بد نصیبی ایک رسم کی صورت اختیار کر گئی ہے' آئینہ خوف کی علامت ہے۔ اور وہ خطروں کے سیلاب میں گھرا ہوا ہے" (١٦٨)

اب ہم ١٩٩٧ء میں ہیں۔ انیس ناگی صاحب کا ابھی تک آخری مجموعہ "درخت میرے وجود کا" (١٦٩) ہمارے سامنے ہے۔

ان کا کہنا ہے :

میرا وجود بے ثمر درخت ہے
کہ جس کی شاخ پر نہ یاد کا ہے
آشیاں
نہ آنے والے کل کی آرزو کے برگ وبار
خواب بھی کوئی نہ محو خواب ہے
وجود کی جو ٹہنیوں کی آبیاری کر سکے
میں خشک بے نوا درخت
جس کے ہاتھ پاؤں کاٹ کر
بہت سے میز کرسیاں بنا کے انتظار گاہ اقتدار میں رکھی گئی ہیں

بے نوا درخت ہوں

بے نوا درخت ہوں

میں آب و گل کی قید میں کھڑا ہوا ہوں

لوگ کرسیوں پہ بیٹھ کر

طرح طرح کی گفتگو میں محو ہیں (۱۷۰)

اب شاعر کی ذات کی افادیت صرف اس قدر ہے کہ لوگ اسے اپنی سہولت اپنی آسائش، اپنی ضرورت کے لئے ایک معروض کی طرح استعمال کریں۔ اس کی موجودگی ان کے لئے اس کی عدم موجودگی ہے، عدمیت کا یہ احساس بے نوائی کے المیے کا نقطہ عروج ہے، اس انجام پر پہنچ کر بے حسی، بے تعلقی، بیگانگی، مغائرت اور لایعنیت کا ایک اور دروازہ کھلتا ہے۔

شکر ہے سوچنے کے لئے کچھ نہیں

شکر ہے دیکھنے کے لئے کچھ نہیں

شکر ہے بولنے کے لئے کچھ نہیں

سوچ کر کیا کریں

دیکھ کر کیا کریں

سوچنا، دیکھنا، بولنا سب خرافات ہیں (۱۷۱)

پریشانی شاعر کے تعاقب میں ہے، دوغلی زندگی نے حوصلے پست کر دیئے ہیں حرف حق کہنے کی آزادی نہیں، غنڈہ راج عروج پر ہے، سراسیمگی، شہر کا دستور بن گئی ہے ہجر کا دور دورہ ہے۔ شاعری شکستہ آدمی کا احوال ہے اور شاعر کسی دوسری ذات میں کیکڑے کی طرح (۱۷۲) چھپ کر زندگی کرنے کو تیار نہیں چنانچہ انیس ناگی اس نتیجے پر پہنچتے ہیں۔

میں پریشان ہراساں ہوں
اپنی گلیوں میں مہاجر کی طرح گھوم رہا ہوں۔ (۱۷۳)

پریشانی انیس ناگی کا وہ منظر نامہ ہے جو ان کی زندگی کے ساتھ ساتھ اپنا کینوس پھیلاتا چلا گیا ہے' اسی پریشانی سے مذہب اور ثقافت کے تضادات کا رشتہ جڑا ہوا ہے۔ یہی پریشانی سماجی طبقات کا شاخسانہ ہے اس کے دم قدم سے وادی محبت میں کانٹے اگتے ہیں اسی کا پھیلا ہوا سایہ زندگی کے گول گیند اور گنبد نیلگوں کی نحوست کی چادر میں لپیٹ لیتا ہے۔ اسی سے زبان کا ذائقہ بدلتا ہے اور طبیعت متلانے لگتی ہے اسی سے زندگی کے بے ثمر ہونے کا احساس بڑھتا ہے۔ یہی جذباتی نظم وضبط میں دراڑیں ڈالتی ہے اور اسی کی موجودگی ایک اسی لاتعلقی Detachment کو جنم دیتی ہے کہ سب رشتے ناطے معدوم ہونے لگتے ہیں اور پھر یہی ایک نئیconsciousnessایک نئے وجود کو جنم دینے کی وجہ بھی بنتی ہے۔ سب چیزیں بنتی ہیں اور بگڑتی ہیں شاید پھر بن جاتی ہیں لیکن اپنی پہلی صورت پر نہیں انیس ناگی کی پریشانی بھی یہی ہے کہ وقت کے ساتھ ساتھ ہر شے کا مرکز اور موجودگی بدلتی جا رہی ہے۔

عام سا میں آدمی ہوں
نارسائی ہی مری تقدیر ہے
میں بوجھ اپنا ساتھ لے کر چل رہا ہوں
اس زمیں پر
بے خبر ہے جو مری تقویم سے

ہر طرف ہے
بے دلی اور تیرگی" (۱۷۔۴۰)

انیس ناگی کا المیہ یہ ہے کہ وہ اپنی مکمل دانش کے ساتھ ایسے زمانے سے نبرد آزما ہیں جہاں زندہ رہنے کے لئے دانش کی ضرورت ہی نہیں' یہی ابنار ملیٹی ہمارے دانش مند کو جاہل معاشرے کا ہیرو بنانے میں مدد دیتی ہے۔

لیکن ہمارا یہ ہیرو کلاسیکی ہیرو کی طرح نہ تو یوسف ثانی ہے نہ تخت سلیمانی کا وارث' وہ تو ہماری آپ کی ناکام زندگیوں کی طرح ایک معمولی اور ناکام سی زندگی بسر کر رہا ہے نہ وہ لڑتے ہوئے داد شجاعت دے سکتا ہے نہ کسی فوجی محاذ پر شہید ہونے کا دعویدار ہے۔ نہ اسے اخلاقی اقدار کے رواجی نظام کو درست کرنے کا لپکا ہے نہ ہی وہ خدائی فوجدار ہے نہ وہ ضبط و صبر میں حسین و اسماعیل ہے نہ اپنے عہد کا عیسیٰ' اسے اس منافقانہ زندگی سے نپٹنے کے لئے موسیٰ جیسے معجزات بھی میسر نہیں' اس کی زبان پر صبر و شکر کا ورد نہیں اور نہ ہی وہ تسلیم و رضا کے خاردار رستے پر زخمی پیروں کے ساتھ چلنے کو تیار ہے' وہ خدائی نجات دہندہ بھی نہیں کہ مصیبت میں لوگوں کے کام آئے اور اپنے حصے کی روٹی مسکینوں میں بانٹ دے۔ اس کا وجود اسی قسم کی کمینگیوں کے خمیر سے اٹھا ہے جو مجھ میں آپ میں پائی جاتی ہیں' وہ سماج میں دوسرے درجے کی زندگی بسر کرتا ہے وہ تسلیم کرتا ہے کہ وہ ایک بحران کی پیداوار ہے اور بحران بہرحال بحران ہی ہوتا ہے۔ وہ سارتر اور کامیو کی طرح یہ بھی جانتا ہے کہ زندگی بے بسی' لایعنیت اور بے معنویت کے سوا کچھ نہیں' اس کے باوجود وہ زندگی کئے جاتا ہے اور اسی معمولی سی زندگی کا اثبات چاہتا ہے۔ ہر حال میں وہ اس تیز تیز گھومنے والی کائنات میں "وجود آدمی" کے تصور کو دہرانے اور منوانے کا

قصوروار ہے۔

ایک ہی عمل کو دہرانا اور پھر اس کی سچائی پر بضد ہونا اثباتیت کا وہ لمحہ ہے جو شخصی راندگی کو شخصی قبولیت میں بدل دیتا ہے اور یوں صداقت اور عدم صداقت کا فرق واضح ہو جاتا ہے اس طرح جزوی سطح پر ذات کی بیگانگی کا احساس ایک ایسے مسئلہ انتخاب کو جنم دیتا ہے جو وجود کے بحران کا شعوری حل بھی ہے۔ اور بیرونی تسلط سے چھٹکارے کا ذریعہ بھی اس سلسلہ انتخاب سے علامتی لاشیئت کو موجودگی کی صورت میسر آتی ہے۔ انسانی وجود کی تاریکیوں کا غبار چھٹتا ہے' انسان کے زوال کی الجھن کا سرا ملتا ہے۔ انفرادیت اور گمشدگی کی گتھی سلجھتی ہے' تشکیک اور بے اعتقادی کے معنی آشکار ہوتے ہیں۔ زندگی کئے جانے کے جرم کی منطق میسر آتی ہے اور اس سے بڑھ کر ایک ذاتی تناظر کی موجودگی فرد کی احتجاج اور مقدمہ کے تماشے کو سمجھنے میں مدد دیتی ہے۔

انیس ناگی کی شاعری کا فرد واحد بظاہر اداس مضمحل' زندگی سے کٹا ہوا' ناکام' پریشان' ہراساں' بے زار' متشدد فرد دکھائی دیتا ہے لیکن اس کی موجودگی اس بات کی دلیل ہے کہ وہ اس نظام کی منافقانہ روش کو تبدیل کر کے ایک ایسے منصفانہ نظام کی داغ بیل ڈالنے کا خواہشمند ہے' جہاں آدمی خوف اور اضطراب کے شعوری دھچکوں سے محفوظ رہ سکے۔

ہم ''ادب کے ذریعے ایک نئے اقداری نظام کے خواہش مند ہیں جس میں معاشرتی انصاف کے ذریعے انسانی زندگی سے ناانصافی دور کی جا سکے۔ صداقت اور عدم صداقت میں فرق قائم کیا جا سکے'' (۱۷۵)

انیس ناگی نے لکھا ہے۔

''اجنبیت اور تصوف میں یہ فرق ہے کہ اول الذکر صورتحال ایک انفرادی انتخاب ہونے کی بجائے معاشرے کی پیدا کردہ ہے' یہ ایک خلیج ہے جو سوچ اور عمل میں حائل

ہے معاشرہ اس پر ایک ایسی ذات مسلط کر دیتا ہے جسے وہ اپنانے پر آمادہ نہیں ہے' اس تصادم کے نتیجے کے طور پر اجنبیت جنم لیتی ہے۔ وہ جو اجنبی ہے اپنی موجودہ صورت حال کی معنوی تشکیل سے گریز کرتا ہے کیونکہ ذات عوامل کے ذریعے معانی وضع کرتی ہے لیکن اسے ان عوامل کی اجازت نہیں جو اس کی معنویت کی تصدیق اور معاشرتی صورت حال کی نفی کرے۔ (۱۷۶)

اس بیان کی روشنی میں ناگی کے شاعرانہ ہیرو کی لاتعلقی اور بیگانگی کا احاطہ کیجئے' اندازہ ہوگا کہ ہر طرح کی رکاوٹ کے باوجود اس نے اپنی صورت حال کی معنوی تشکیل کی پرداخت کی ہے۔ معاشرتی صورت حال کی نفی کرتے ہوئے اس کی منظر کشی ہے' اپنے ابتلاء اور اوہام کے باوجود خود کو سنبھال کر رکھا ہے اور بظاہر سماجی قوانین کی بیخ کنی کرتے ہوئے ارادتاً قاری کو ایک بہتر نظام زندگی کے انتخاب کی دعوت دی ہے اور اس طرح سماجی تعلق کی اساس دریافت کرنے کے سنجیدہ مسئلے کی نشاندہی کی ہے کیونکہ انسانوں کا انسانوں سے تعلق انسانی وجود ہی کی بدولت ہے۔

ناگی صاحب نے اپنی اس شاعرانہ ساکت میں ٹی' ایس' ایلیٹ' ژیان پرس' پابلو نرودا' ایذرا پاؤنڈ' اریکا ژونگ' ٹیڈ ہیوگیز Ted Hoges کی وجودی نظموں کے تراجم میں بھی ذاتی عافیت تلاش کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس فکری' لسانی اور زمانی سفر کے ہر اختتام پر وہ اپنے آپ کو تنہا ہی پاتے ہیں۔ ان کی اداس زندگی اپنے ہی سائے کو اپنے کولہے پر ہاتھ رکھے اپنا منتظر دیکھتی ہے۔ (۱۷۷)

ہمارا اینٹی ہیرو اعتراف کرتا ہے۔

میری بیاض میں لہو کا رنگ ہے

میری بیاض انتشار عہد ہے

ذات کا زوال ہے
اپنی ہی سرزمین پر گماشتے مری تلاش میں رہے۔

کہ میرا لفظ اختلاف ہی کا لفظ تھا
جسے نہ وہ سمجھ سکے
کیا کہوں میری بیاض میں ہراس ہے (۱۷۸)
یہ ۱۹۹۷ء ہے دیکھئے اگلے موسموں میں ناگی صاحب کے شعری وجود پر کون سے پھول کھلتے ہیں؟

لیکن ایک بات ہمیں ذہن میں رکھنی چاہئے کہ تیسری دنیا کے نیم ترقی پذیر معاشروں میں جہاں حرص اور طمع کی ترغیب ایک طرح کی فنکاری ہے، معاشرتی ترجیحات کا انتخاب ایک مشکل مرحلہ ہے۔ ان معاشروں میں جنم لینے والا ادیب، شاعر اور دانشور ایک ایسا Outsider ہے جو نہ تو نظام کا حصہ ہے نہ اہل نظم و نسق اسے قبول کرنے کو تیار ہیں، وہ نہ تو نئے تصورات کا اہتمام کر سکتا ہے نہ ماضی کے خوابوں کے سہارے "زندہ رہ سکتا ہے۔ پیش بینی اس کا مقدر نہیں" معاشرے کی جامد اور ساکت فکری زندگی اس کی نئی تشریحات اور نئی فکری دریافتوں کو خشونت کی نگاہ سے دیکھتی ہے۔

اس جہان غیر میں اس دانشور کی بنیادی ضرورت زندگی اور اس کے اعتبار کی بحالی ہے لیکن وہ ذہنی صورتحال کی پیچیدگیوں، جذباتی منافقتوں اور خارجی موقعہ پرستوں میں ایسا الجھا ہوا ہے کہ اس سے کسی شخصی یا انقلاب کی توقع نہیں کی جا سکتی۔ معاشرے میں اس کی حیثیت دو نمبر مخلوق کی ہے، اس لئے اس کی آگہی اسے بے تعلقی اور مغائرت کا چلن اختیار کرنے کا درس دیتی ہے، جان لئے جانے، پہچان لئے جانے کا خواب شرمندہ تعبیر ہو بھی جائے تو مسند نشینی اس اجنبی کا مقدر نہیں بنتی۔

احساساتی سطح پر اپنے آپ کو انسان کامل سمجھنے والا دانشور تاریخ اور سماج کے اس دھتکارے جانے والے جبر کو بے نیازی کی شان سے قبول کرتا ہے لیکن یہ قبولیت تہی دامنی کا اعتراف ہے جو خواہشات کے دامن کو بدمزگی سے آلودہ کر دیتی ہے۔

کوئی منظر نہیں ہے

ذہن میں

آنکھیں مری دو گیند ہیں
جو گھومتے ہیں

اس زمیں کے ساتھ جو روز ازل سے ہے
کسی اک کھوج میں-----

افسوس جہاں آرزو کہیں نہیں ہے اور ہمارا ہیرو ہفت کشور بھی طے کر لے تو اسے ہر بار خالی ہاتھ لوٹنا ہے۔

1 انیس ناگی' حرف ایک جنگل' بشارت کی رات' زرد آسمان جمالیات' لاہور ۱۹۸۵ء ص ۶۳-۶۴

2 انیس ناگی' جھلاہٹ' میری ادبی بیاض' جمالیات' لاہور ۱۹۹۶ء' ص ۱۸۰-۱۸۱

3 میری ادبی بیاض' ص ۱۸۱

4 Sartre, words, p 39

5 انیس ناگی' میری ادبی سرگزشت' ص ۱۶۳

6 ایک بھولی ہوئی سرگزشت ص ۱۶۰-۱۶۱

7 Kierk Gaard, Papirerx, 1, A 116, p 87

8 انیس ناگی ایک بھولی ہوئی سرگزشت' میری ادبی بیاض ص ۱۶۱

9 انیس ناگی' نوحہ ۳۷' نوحے' زرد آسمان ص ۷۸-۷۹

10 عمران نقوی' مکالمہ نوائے وقت- لاہور ۲۶ ستمبر 1995ء

11 --------- ایضاً

12 انیس ناگی' بیابانی کا دن' جمالیات لاہور ۱۹۹۶ء ص ۱۳- ۱۴

13 انیس ناگی' ادھورا ادیب' مشاہدات' جمالیات' لاہور ۱۹۹۳ء' ص ۱۱۶

14 مہذب شہر میں ننگا' غیر ممنوعہ نظمیں' زرد آسمان ص ۱۳۸

15 انیس ناگی' ادب اور تہذیبی جمود' تصورات' فیروز سنز لاہور ۱۹۹۰ء

16 دانش ور کون ---------- ص ۳۴

17 ایشیاء کے ساحلوں پر' بے خوابی کی نظمیں۔ جمالیات لاہور ۱۹۷۷ء ص ۳۱

18 انیس ناگی' مشاہدات' ص ۱۰۹

19 ---------- ص ۱۵۵

20 نظم لکھنے کا بہانہ' بے خیالی میں' جمالیات' لاہور ص ۵۶-۵۷

21 پس ورق' نذیر احمد کی ناول نگاری از انیس ناگی' فیروز سنز لاہور

22 ”میں امرتسر کا پہلا مسلمان تھا جو مقابلے کا امتحانی پاس کر کے جج بنا تھا“ ۱۹۴۲ میں شاہ سعود نے انہیں سعودیہ میں جج بننے کی دعوت بھی دی تھی“ ایک بھولی ہوئی سرگزشت ص ۱۶۷۔ میری ادبی بیاض۔

23 میری ادبی بیاض ص ۱۶۴۔ انیس ناگی' میری ادبی بیاض' ص ۱۶۵

24 ایک مذہبی نظم' صداؤں کا جہاں جمالیات لاہور ۱۹۹۵ء ص ۲۹

25 انیس ناگی' بھارت' درخت میرے وجود کا جمالیات ۱۹۹۷ء ص ۲۹

26 راوی عطیہ سید بوساطت زاہد مسعود۔

27 انیس ناگی' ایک نیک عورت' صداؤں کا جہاں' ص ۴۱

☆ Fyodor Mikkhail Dostoyevsky 182

28 Dostoyevsky, The Devils, tr. David magarshack, penguin books, U.S.A 1987, p 704

29 hnya ناگی' اک اچانک خیال' روشنیاں' زرد آسمان ص ۳۶۶' ۳۶۷

30 The devils, p 85

31 انیس ناگی' ان کے نام' بے خیالی میں ص ۹

32 دیوار کے پیچھے' انیس ناگی۔ ص ۲۹۰

33 ناگی' میری ادبی بیاض ص ۱۶۴

34 Sartre- words, p 14-15

35 انیس ناگی' میری ادبی بیاض ص ۱۶۴۔ ۱۶۵

36 تعطل بیابانی کا دن ص ۱۲

37 Sartre, words, p 49.

38 انیس ناگی' میری ادبی بیاض ص ۱۶۵

39 انیس ناگی، میری ادبی بیاض ص ۱۷۰

40 بیمار دن اور لڑکا، زرد آسمان ص ۳۰

41 دوزخی باپ، بیابانی کا دن ص ۹۔۱۰

42 Alastair Hannay, Kierke Gaard, Ediled by Ten

43 Ho[illegible] 1991

Oxford university press, 1988, p3

44 گفتگو، زاہد مسعود

45 انیس ناگی، میری ادبی بیاض ص ۱۷۰

46 انیس ناگی، زندگی پورا خلا، صداؤں کا جہاں ص ۹۹

47 Kierk Gaard, ch S.V.18, p3

48 انیس ناگی، میری ادبی بیاض ص ۱۶۲

49 انیس ناگی، جھلاہٹ میری ادبی بیاض ص ۱۳۹

50 انیس ناگی، لاہور میں صبح کا منظر، درخت میرے وجود کا

51 میری ادبی بیاض ص ۱۷۷۔ ص ۵۳۔۵۴

52 انیس ناگی، ہر طرف شور ہی شور ہے۔ غیر ممنوعہ نظمیں ص ۱۳۰۔۱۴۰

53 انیس ناگی/حسن رضوی، انٹرویو، گفت وشنید سنگ میل لاہور ۱۹۹۰ء ص ۱۳۳۔۱۳۴

54 انیس ناگی/ نئی شاعری کا منصوبہ، نئی شاعری ایک تنقیدی مطالعہ از افتخار جالب (م) نئی مطبوعات

لاہور ۱۹۶۶ء ص ۴۷

55 انیس ناگی، نئی شاعری اور امیج۔ نئی شاعری ایک تنقیدی مطالعہ۔ ص ۹۸

56 انیس ناگی، نیا شعری افق جمالیات ۱۹۶۹ء لاہور۔

58 شکست غیر ممنوعہ نظمیں

59 پاک ٹی ہاؤس' لاہور۔ انیس ناگی' جمالیات ۱۹۹۵ء

Maker of modern Pakistani Literature.

60 انیس ناگی' دیکھنے کی خواہش میں جینا' بشارت کی رات ص ۵۳

61 انیس ناگی' آنکھ ایک زنداں' بشارت کی رات ص ۶۸

62 راوی انیس ناگی' ایک ٹیلی فونک گفتگو/شاہین مفتی ۱۲۔ اپریل ۱۹۹۷ء

63 انیس ناگی' ایک بھولی ہوئی سرگزشت' میری ادبی بیاض ص ۱۵۰۔ ۱۶۱

64 انیس ناگی' ایک نئی وباء' غیر ممنوعہ نظمیں ص ۱۹۹ء

65 دو جنسی دوست' بشارت کی رات ص ۶۱

66 انیس ناگی' بشارت کی رات ص ۳۶۔ ۳۷

67 انیس ناگی' وراثت کا خوف ص ۳۳

68 ہذیان اک بشارت ص ۷۱

69 انیس ناگی' ہذیان کی رات ص ۶۵

70 انیس ناگی میری ادبی بیاض ص ۱۶۲۔ ۱۶۳

71 انیس ناگی' اکیلے گھر کی خواہش بشارت کی رات ص ۷۳ "تنہائی بیابانی کا دن' ص ۲۰۔ ۲۱

72 ایک ٹیلی فونک مکالمہ ۱۳۔ مئی ۱۹۹۷ء

73 انیس ناگی' غیر ممنوعہ نظمیں' ص ۱۳۹

74 انیس ناگی' دوران سر' غیر ممنوعہ نظمیں ص ۱۳۵

75 انیس ناگی' اکیلے گھر کی خواہش بشارت کی رات ص ۷۳

76 انیس ناگی' مجھے شرم آتی ہے بشارت کی رات ص ۷۶

77 انیس ناگی' مردوں کی صف میں زندہ غیر ممنوعہ نظمیں ص ۹۴۔ ۹۵

78 B .... ص ۹۵

79 انیس ناگی، میں تھک گیا ہوں، بے خیالی میں ص ۶۳

80 انیس ناگی، ایک عورت کے لئے، بے خیالی میں ص ۸۲۔۸۳

81 ایک ٹیلی فونک گفتگو ۱۴ مئی ۱۹۹۷ء

82 حسن رضوی، گفت و شنید ص ۱۳۱

83 ص ۱۳۴۔۱۳۳

84 ایک ٹیلی فونک گفتگو۔

85 انیس ناگی، میری ادبی بیاض ص ۱۶۴

86 انیس ناگی میری ادبی بیاض ص ۱۶۵

87 انیس ناگی، میری ادبی بیا ض ۱۶۵

88 انیس ناگی، میری ادبی بیاض ص ۱۶۴

89 انیس ناگی، چوہوں کی کہانی، جمالیات لاہور ص ۶

90 ایک مشکل آدمی، وقت کی کہانیاں، القمر انٹرپرائزز لاہور ۱۹۹۶ء

91 انیس ناگی، زرد دھواں، وقت کی کہانیاں ص ۳۴

92 انیس ناگی، زرد دھواں، وقت کی کاہنیاں ص ۳۶

93 انیس ناگی، زرد دھواں، وقت کی کہانیاں ص ۳۶

94 انیس ناگی، جھلاہٹ، میری ادبی بیاض ص ۱۸۱

95 انیس ناگی، محاصرہ، الحمد، لاہور ۱۹۹۲ء ص ۲۰

96 انیس ناگی، محاصرہ، الحمد لاہور، ص ۵۴

97 Kierke Gaard, repetition, edited p translated bu noward.
V.hong and Edna, princeton press university, nj 1983

98 Sartre, being and nothing ness, p 89

99 انیس ناگی' صداؤں کا جہاں ص ۵۳

100 انیس ناگی' ایک انسانی خواہش' درخت میرے وجود کا' ص ۴۳

101 Sertre, the age of reason p 107

☆ A child, another consciousness, a little centre-point of light that would further round and round the walks, and never be able to escape, the age of reason p 46

102 Sartre, the age of reason p 300

103 انیس ناگی' شعور شودر ہے۔ صداؤں کا جہاں ص ۵۸' ۵۹

104 ایک ٹیلی فونک گفتگو' ۱۴ مئی ۱۹۹۷ء

105 Camus, the stranger, p 503 ref: from to existentialism

106 Camus, the myth of sisyphus p 13

107 انیس ناگی' اجنبی اور لاحنیت' مشاہدات' جمالیات لاہور ۱۹۹۳ء ص ۵۲

108 انیس ناگی' نکون' درخت میرے وجود کا جمالیات ۱۹۹۶ء ص ۱۵-۱۶

109 انیس ناگی' زرد آسمان۔ ص ۳۰۳

110 انیس ناگی خاموشی کا شہر' ص ۱۹

111 انیس ناگی' گندہ لہو ص ۳۵-۳۶

112 انیس ناگی' زوال کا خوف ص ۵۱

113 انیس ناگی' مفرور کی تلاش' غیر ممنوعہ نظمیں ص ۹۶

114 انیس ناگی' دو زخمی دشمن۔ ص ۹۷

115 انیس ناگی' درخت کی حقیقت ص ۱۰۰

116 انیس ناگی' میری سرگزشت ص ۱۰۲

117 انیس ناگی' میرا فیصلہ خودکشی ہے ص ۱۰۸

118 انیس ناگی' سعی رائیگاں کا سفر ص ۱۰۹-۱۱۰

119 انیس ناگی' ایک نئی خواہش ص ۱۱۱

120

121 انیس ناگی' در زندگی کہاں ہے ص ۱۶۴

122 انیس ناگی' در زندگی کہاں ہے ص ۱۶۵

123 انیس ناگی' در زندگی کہاں ہے ص ۱۲۹

124 انیس ناگی' دوران سر' ص ۱۲۵

125 انیس ناگی' ایک لمبی سوچ' ص ۱۳۳

126 انیس ناگی' ہم دو قیدی' نوحے' ص ۱۶۷

127 انیس ناگی' نوحہ نمبر ۳ ص ۱۶۸ نوحے جمالیات ۱۹۸۷ء لاہور

128 انیس ناگی' نوحہ نمبر ۱۶ ص ۱۹۲ نوحے جمالیات ۱۹۸۷ء لاہور

129 انیس ناگی' نوحہ نمبر ۳۳ ص ۲۷' نوحے جمالیات ۱۹۸۷ء لاہور

130 انیس ناگی' یرقان' ص ۲۰۳ زرد آسمان

131 انیس ناگی' رات ایک ناؤ ۲۰۶

132 انیس ناگی' خوابوں کی سلطنت ۲۰۸

133 انیس ناگی آئینہ تصور کا ۲۱۱

134 انیس ناگی' ہم وقت کے شہزادے نہیں ص ۲۲۵

135 انیس ناگی' ضمیر مجمر' زرد آسمان ص ۲۳۱

136 انیس ناگی' ایک نظم' زرد آسمان ص ۲۳۲

137

138 انیس ناگی' ایک مہمان' ص ۲۳۵

139 انیس ناگی' ہمارا وجود ایک علامت' ص ۲۴۰

140 انیس ناگی' شاخ عمر' روشنیاں ص ۲۴۶

141 انیس ناگی' رات کا ابہام ص ۲۴۸

142 انیس ناگی' میرا نام غلام تمہارا' ص ۲۷۵

143 انیس ناگی' کاغذی پیراہن ۲۸۴-۲۸۵

144 انیس ناگی' بے خوابی کی نظمیں' جمالیات لاہور ۱۹۸۷ء

145 انیس ناگی' ایک لمبی رات' ص ۵

146 انیس ناگی' کا درخت ص ۷-۸

147 انیس ناگی' وجود ص ۱۵

148 انیس ناگی' ایک بکھرا ہوا ذہن ص ۲۲

149 انیس ناگی' مجھے جاگنا ہے ص ۲۹

150 انیس ناگی' ابتلاء' ص ۵۸

151 انیس ناگی' ابتلاء ص ۶۰

152 انیس ناگی' بے خوابی کی نظمیں ص ۷۲-۷۴

153 انیس ناگی' جائیں کدھر' بیابانی کا دن' ص ۳۶

154 انیس ناگی' صحیح سوچ کا غلط نتیجہ ص ۴۲-۴۳

155 انیس ناگی' اک نظم خوف کی ص ۶۰-۶۱

156 انیس ناگی' کتاب شعر کا دیباچہ ص ۱۰۷

157 انیس ناگی' نام سارے ص ۱۰۹-۱۱۰

158 انیس ناگی' بے خیالی میں' جمالیات لاہور۔

159 انیس ناگی' ایک نظم خوف کی ص ۳۷ ۱۹۹۳ء

160 انیس ناگی' بے خیالی میں ص ۷۷-۷۹

161 انیس ناگی' منگی ص ۸۶-۸۷

162 انیس ناگی۔ در کے پیچھے در' ۸۸-۸۹

163 انیس ناگی' صداؤں کا جہاں' جمالیات' لاہور ۱۹۹۵ء

164 انیس ناگی' ایک تلاش' صداؤں کا جہاں ص ۱۳

165 انیس ناگی' ایک علالت صداؤں کا جہاں ص ۱۸-۱۹

166 انیس ناگی' نامعقول خواہش' ص ۳۹

167 انیس ناگی' اجڑی سلطنت ص ۴۸

168 انیس ناگی' حالت جنگ ص ۹۰-۹۱

169 انیس ناگی' درخت میرے وجود کا جمالیات لاہور ۱۹۹۳ء

170 انیس ناگی' درخت میرے وجود کا' ص ۵۷-۵۸

171 انیس ناگی' ایک خیالی سفر' درخت میرے وجود کا ص ۶۳

172 انیس ناگی' ہجر درخت میرے وجود کا ص ۷۵

173 انیس ناگی' خموشی کا دریچہ درخت میرے وجود کا۔ ص ۸۸

174 انیس ناگی' اے روشنی اے روشنی' میری ادبی بیاض ص ۴۳

175 انیس ناگی' احمد فراز کے نام ایک مراسلہ۔ ۱۰ اگست ۱۹۸۹ء نوائے وقت' لاہور۔

176 انیس ناگی' ادب میں 'اجنبیت' مذاکرات' سنگ میل لاہور ۱۹۸۶ء ص ۸

177 انیس ناگی' سایہ دانش ور لاہور شمارہ ۲۱۔ مئی ۱۹۹۷ء

178 انیس ناگی' میری ادبی بیاض ص ۵۴-۵۵

انیس ناگی کی تصنیفات

شاعری

۱۔ بشارت کی رات
۲۔ غیر ممنوعہ نظمیں
۳۔ نوحے
۴۔ روشنیاں
۵۔ بے خوابی کی نظمیں
۶۔ زرد آسمان
۷۔ آگ ہی آگ
۸۔ بے خیالی میں
۹۔ بیابانی کا دن
۱۰۔ صداؤں کا جہاں
۱۱۔ درخت مرے وجود کا
۱۲۔ بجرے پھل (انتخاب پنجابی شاعری)
۱۳۔ نئی شاعری (انتخاب)
۱۴۔ میراجی کی نظمیں (انتخاب)

ناول

۱۵۔ دیوار کے پیچھے

۱۶۔ زوال

۱۷۔ میں اور وہ

۱۸۔ ایک گرم موسم کی کہانی

۱۹۔ قلعہ

۲۰۔ ایک لمحہ سوچ کا

۲۱۔ محاصرہ

۲۲۔ چوہوں کی کہانی

۲۳۔ میں اور وہ

افسانہ

۲۴۔ حکایات

۲۵۔ وقت کی کہانیاں

تنقید

۲۶۔ تنقید شعر

۲۷۔ نذیر احمد کی ناول نگاری

۲۸۔ نیا شعری افق

۲۹۔ شعری لسانیات

۳۰۔ سعادت حسن منٹو

۳۱۔ میراجی ایک بھٹکا ہوا شاعر

۳۲۔ سعادت حسن منٹو (منٹو پر مضامین کا انتخاب)

۳۳۔ غالب ایک شاعر ایک اداکار

۳۵۔ غالب پریشاں
۳۶۔ غالب کا مقدمہ پیشن
۳۷۔ تصورات
۳۸۔ مذاکرات
۳۹۔ مشاہدات
۴۰۔ نثری نظمیں
۴۱۔ معاصر اردو ادب

کلچر سوانح ادب
۴۲۔ لاہور جو شہر تھا
۴۳۔ انار کلی رومان یا حقیقت
۴۴۔ سعادت حسن منٹو (فلم سکرپٹ)
۴۵۔ میری ادبی بیاض

اردو تراجم
۴۶۔ طاعون البیر کامیو
۴۷۔ سیسفس کی دیومالا البیر کامیو
۴۸۔ پابلو نیرودا کی نظمیں
۴۹۔ ہوائیں سینٹ جان پرس
۵۰۔ ٹی ایس ایلیٹ کی نظمیں
۵۱۔ جہنم میں ایک موسم آرتھر راں بو

انگریزی تراجم

شاہین مفتی جدید اردو نظم اور تنقید کا سنجیدہ شعور رکھتی ہیں۔

1982ء میں ان کی نظموں کا مجموعہ "امانت" شائع ہوا تھا۔1993ء میں افریقی ناول نگار چنیوا اچے بے کے ناول The man of people کا اردو ترجمہ "آپ کا خادم" منصہ ء شہود پر آیا۔ حال ہی میں ان کا تحقیقی مقالہ "فیض کی شاعری میں رنگ کی اہمیت" منظرعام پر آیا۔ ان کی تازہ کتاب "انیس ناگی' اردو ادب کا اینٹی ہیرو" پاکستانی معاشرے کی وجودی صورتحال اور انیس ناگی کی شعری و ادبی جہات پر روشنی ڈالتی ہے۔ شاہین کے تنقیدی مضامین کا مجموعہ "التباس" کے نام سے اشاعت پذیر ہے۔

1994ء میں امریکن بائیوگرافیکل انسٹیٹیوٹ نے شاہین کی علمی اور ادبی خدمات کے اعتراف کے طور پر انہیں Woman of the year کا ایوارڈ دیا تھا۔